بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رجسٹرڈ ایل ۔ ۷۸۶۱

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

بدر

ہفت روزہ

قادیان

ایڈیٹر۔

برکات احمد راجیکی

اسسٹنٹ ایڈیٹر۔

محمد حفیظ بقاپوری

شرح

چندہ سالانہ

چھ ۶ روپے

فی پرچہ

۲/۰

اڑھائی آنے

تواریخ اشاعت:- ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

جلد ۲ | ۱۴ ماہ صلح ۱۳۳۲ ہش ۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۔ ۱۴ جنوری ۱۹۵۳ء | نمبر ۲

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی یہ نظم جلسہ سالانہ ربوہ کے موقعہ پر مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء کو حضور کی تقریر سے قبل مکرم مشتاق احمد صاحب متعلم جامعہ احمدیہ نے پڑھ کر سنائی

الفت الفت کہتے ہیں پر دل الفت سے خالی ہے

ہے دل میں کچھ اور منہ پر کچھ دنیا کی ریت نرالی ہے

کہتے ہیں آ! دنیا کو دیکھ۔ ہیں اس میں کیسے نظارے

مَیں کہتا ہوں بس چپ بھی رہو یہ میری دیکھی بھالی ہے

یاں عالِم ان کو کہتے ہیں جو دین سے کورے ہوتے ہیں

جب دیکھو بھیڑیا نکلے گا جو بھیڑوں کا رکھوالی ہے

تقوےٰ کا جھنڈا جھکتا ہے پر کفر کی گڈی چڑھتی ہے

اس دنیا میں اب نیکوں کا ہے کوئی تو اللہ والی ہے

اندھیاری راتوں میں سجدے کرنا تو پہلی باتیں تھیں

اب دن اک مجلس عیش کی ہے اور رات جو ہے دیوالی ہے

اب صوفے کوچیں گرجا میں اک شان سے رکھے رہتے ہیں

مسجد میں چٹائی ہوتی تھی سو ظالم نے سرکالی ہے

کافر کے ہاتھ میں بندوقیں مومن کے ہاتھ سلاسل ہیں

کافر کا ہاتھ خزانوں پر مومن کی پیالی خالی ہے

[illegible] عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے [illegible] پریس [illegible] میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کی

صحت کے متعلق تازہ اطلاع

ربوہ مبارکہ:- مورخہ ۱۲ر جنوری حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہٗ العالی بذریعہ تار اطلاع فرماتے ہیں کہ:-

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو بخار اور بدن میں درد ہے۔

احباب اپنے مقدس آقا کی صحت کاملہ عاجلہ اور درازیٔ عمر اور مقاصد عالیہ میں کامرانی کے لئے مسلسل دعائیں فرماتے رہیں۔

درخواست ہائے دعا

۱۔ سیٹھ محمد اسمٰعیل صاحب احمد آباد اسٹیٹ سندھ بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت کاملہ کے لئے دعا فرمادیں۔

۲۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب بی۔ ایس۔ سی اور ان کے لڑکے بشیر احمد صاحب بی۔ اے کے مقدمہ کی تاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ جنوری مقرر ہوئی ہے۔ احباب ان کی باعزت بریت کے لئے دعا فرمادیں۔

۳۔ مکرم چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی قادیان میں بعارضہ نمونیہ شدید طور پر بیمار ہیں۔ اگرچہ پہلے سے کچھ افاقہ ہے تاہم کمزوری بہت ہے۔ احباب ان کی صحت کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

۴۔ مکرم بھائی حبیب اللہ خاں صاحب آف کانپور کے کئی بچے فوت ہو چکے ہیں۔ اب عرصہ دراز کے بعد مولیٰ کریم نے ایک فرزند عطا فرمایا ہے۔ جس کی عمر غالباً اب دو اڑھائی سال کی ہوگی۔ جملہ احباب کرام عموماً اور صحابہ حضرت مسیح موعود اور بزرگان سلسلہ خصوصاً اس بچے کی درازیٔ عمر نیز اُس کا وجود دونوں جہانوں میں بابرکت ہونے اور اسے خادم دین بننے کے لئے دردِ دل سے دعا فرمائیں۔ اسی طرح بھائی صاحب موصوف کو بھی دونوں جہانوں میں نمایاں کامیابی کے لئے دردمندانہ دعا کی درخواست ہے (سید شجاعت علی واقف زندگی متعلم جامعۃ المبشرین قادیان)

ایک درویش کھلاڑی کا پنجاب والی بال ایسوسی ایشن میں انتخاب

جشن جمہوریت جبل پور کے آئندہ ہونے والے میچوں میں جو بہترین کھلاڑی پنجاب کی طرف سے نمائندگی کریں گے ان میں عبد السلام صاحب درویش قادیان کا نام بھی منتخب کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ موجودہ وقت میں جبکہ قادیان میں بہت تھوڑی تعداد میں احمدی موجود ہیں ان میں سے ایک ممبر کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اچھا نمونہ دکھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حقیقی ہمدردی کا تقاضا

قابل توجہ احباب جماعت احمدیہ

اس وقت جس تیز رفتاری سے تمام دنیا مادیت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور مذہب سے بُعد اختیار کر رہی ہے۔ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جماعت احمدیہ کے مٹھی بھر افراد اس کا تہیہ کر چکے ہیں۔ کہ بھولی بھٹکی دنیا کو خدا کے آستانہ پر لا جھکائیں گے۔ فی الواقع اپنے بنی نوع سے حقیقی ہمدردی کا یہی تقاضا ہے۔ مگر کیا آپ نے کبھی اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ اس اہم ذمہ داری سے آپ کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ بے شک جماعت احمدیہ نے بیرونی ممالک میں متعدد مشنز کھول رکھے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی اسلامی جماعت اس میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن اس سے اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ بالخصوص جبکہ ہمارا اپنا ملک اس روحانی غذا سے محروم ہے۔ اگرچہ مرکز کی طرف سے بھارت کے مختلف حصوں میں مبلغ کام کر رہے ہیں۔ لیکن کروڑوں کی آبادی کے مقابل محدود سے چند مبلغ کیا قیمت رکھتے ہیں۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا الہام ہے "رسول خدا پناہ گزیں ہوئے قلعہ ہند میں" اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہندوستانی احمدیوں کو اپنی زندگیوں میں ایک خاص تبدیلی کرنی ہوگی تا ان کے وجود اور خدمت دین سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ظاہر ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم اکناف عالم میں جلد پھیلے۔

پس ضرورت ہے اس امر کی کہ ہم میں سے ہر احمدی بیدار ہو اور زمانہ کی نزاکت اور اپنے فرائض کی اہمیت کو سمجھے اور بجائے خود مبلغ ہو تا جلد از جلد وہ مقصد پورا ہو جس کے لئے مسیح پاک علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ احباب جماعت نے اپنے تئیں تبلیغی پروگرام کے لئے منظم نہیں کیا۔ اور نہ اسکے لئے مناسب کوشش کی ہے۔ ہر جماعت کا فرض ہے کہ مرکز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستگی اختیار کرے اور اپنے تبلیغی دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ مرکزی دفتر سے مناسب تبلیغی لٹریچر طلب کیا جائے۔ اور پھر مؤثر طریق پر تقسیم کیا جائے۔

خدا کرے کہ آپ اس بات کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور عملی میدان میں کود پڑیں اور اپنی زندگی کو کارآمد بنائیں تا زیادہ سے زیادہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے والے بنیں۔ اللّٰھم آمین

(ناظر دعوت و تبلیغ قادیان)

خطبہ جمعہ

جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں آؤ مگر یہ ارادہ لیکر آؤ کہ تم نے جلسے کی برکات حاصل کرنی ہیں

جو لوگ تقاریر نہیں سن سکتے وہ بے شک جلسے پر نہ آئیں

مہمانوں کی خدمت کے لئے اپنے مکانات اور اپنی خدمات پیش کرو

از سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے

فرمودہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ

خطبہ نویس :- سلطان احمد پیر کوٹی

نوٹ :- اگرچہ یہ خطبہ جلسہ سالانہ سے قبل سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالے نے بمقام ربوہ فرمایا تھا۔ اور اب جلسہ سالانہ گزر چکا ہے۔ لیکن چونکہ حضور اقدس کے کلمات طیبات مستقل طور پر ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اور اخبار میں ان کا اندراج و ریکارڈ ضروری ہے۔ لہٰذا اب اس کو شائع کیا جاتا ہے۔ اخبار الفضل دیر سے ملنے کی وجہ سے یہ بر وقت شائع نہیں ہو سکا۔ (ایڈیٹر)

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میری طبیعت چونکہ کمزور ہے۔ خصوصاً کل یکدم سردی پڑنے کی وجہ سے میرے دل اور اعضاء پر اس کا اثر پڑا ہے۔ اس لئے میں زیادہ لمبا خطبہ نہیں پڑھ سکتا۔ مختصراً میں جماعت کو

آنے والے جلسہ کے متعلق

جو اگلے جمعہ سے شروع ہو جائے گا۔ توجہ دلاتا ہوں کہ احباب زیادہ سے زیادہ مکان مہمانوں کی رہائش کے لئے دیں اور زیادہ سے زیادہ دوست مہمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ آج سے پہلے ہم مکانوں کا نام نہیں لے سکتے تھے کیونکہ پہلے یہاں مکانات نہیں تھے۔ اب خدا تعالےٰ کے فضل سے سینکڑوں مکانات بن چکے ہیں۔ پس احباب کو جلسہ سالانہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مکانات دینے چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں۔ ابھی ربوہ کی آبادی بہت کم ہے۔ اور اگرچہ مہمان اتنے زیادہ نہیں آتے جتنے قادیان میں آخری دو جلسوں میں آئے تھے۔ لیکن ان کی تعداد اب بہت حد تک ان کے قریب پہنچ گئی ہے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ تقسیم ملک کی وجہ سے جو مصائب جماعت پر اور دوسرے لوگوں پر آئے۔ ان کی وجہ سے لوگ ایک حد تک بیدار ہو گئے ہیں۔ اور کچھ اس لئے کہ ربوہ ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سے ریل بھی گزرتی ہے۔ اور لاریاں بھی خوب گزرتی ہیں۔ مجھ سے کسی نے بیان کیا تھا کہ

صرف ایک طرف کی سو لاریاں

روزانہ ربوہ سے گزرتی ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر روز ربوہ کے پاس سے اڑھائی تین ہزار سواریاں گزر جاتی ہیں۔ ان مسافروں سے کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم منزلِ مقصود پر آسانی سے پہونچ جائیں گے۔ چلو ایک آدھ دن کے لئے یہاں ٹھہر جائیں۔ اور وہ یہاں اتر جاتے ہیں۔ قادیان میں یہ سہولت میسر نہ تھی۔ قادیان رستہ چھوڑ کر واقع تھا۔ کوئی پختہ سڑک نہیں۔ جو شہر کے پاس سے گزرتی ہو۔ اس لئے لاریوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں ریل قادیان جاتی تھی۔ لیکن وہ بھی وہیں ختم ہو جاتی تھی۔ آگے نہیں جاتی تھی۔ اس لئے وہاں وہی لوگ جاتے تھے۔ جو ارادۃً قادیان جانے کے لئے گھروں سے روانہ ہوتے تھے۔ لیکن یہاں ریل آتی ہے۔ اور پھر یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ وہ آگے گزر جاتی ہے۔ اور اس طرح دونوں طرف کی سواریاں یہاں سے گزرتی ہیں۔ اور پھر سرگودھا اور لائل پور کے تعلق کی وجہ سے لاریاں اتنی گزرتی ہیں۔ کہ جلسہ دیکھنے کی خواہش رکھنے والے مسافروں کو کچھ دیر یہاں ٹھہرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

بہر حال ربوہ

آبادی کے لحاظ سے

ابھی قادیان سے بہت چھوٹا ہے۔ قادیان کی آبادی پندرہ ہزار کے قریب تھی۔ لیکن ربوہ کی آبادی ابھی ساڑھے تین ہزار یا پونے چار ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ گو جلد جلد بڑھ رہی ہے۔ گویا ربوہ کی آبادی ابھی قادیان کی آبادی کا ایک چوتھائی ہے اور جلسہ پر آنے والوں کی تعداد قادیان میں آنے والوں کی نسبت ۷۰ - ۸۰ فی صدی تک پہونچ چکی ہے۔ گویا جو مہمانوں کی خدمت پہلے سو آدمیوں کو کرنی پڑتی تھی۔ اب ان کے ۷۰ - ۸۰ فی صدی مہمانوں کی خدمت ۲۵ آدمیوں کو کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے اب پہلے کی نسبت زیادہ محنت اور توجہ کی ضرورت ہے میں باہر سے آنے والوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جلسہ سالانہ پر نہ آئیں۔ وہ جلسہ سالانہ پر آئیں۔ اور خوب آئیں اور غیر از جماعت دوستوں کو اپنے ساتھ لائیں۔ لیکن میں ان سے اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ کچھ عرصہ سے جلسہ پر آنے والوں میں یہ میلان پیدا ہو گیا ہے۔ کہ جلسہ کا نام آرام سہولت اور مہمان نوازی رکھ لیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ جلسہ سالانہ پر آکر بھی اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ نہ جلسہ دیکھنے آتے ہیں۔

جلسہ سننے نہیں آتے

ایسے لوگوں کو میں کہوں گا۔ کہ وہ یہاں تقاریر نہ سن کر گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اگر انہوں نے یہاں آکر تقریر نہیں سننی۔ تو بہتر ہے۔ کہ وہ یہاں نہ آئیں اور اسی طرح وہ غیر از جماعت افراد جو ان کے ساتھ آئیں۔ اگر وہ جلسہ کی تقاریر سننے کے لئے تیار نہیں۔ یا جو انہیں ساتھ لاتے ہیں۔ وہ انہیں جلسہ میں بٹھانے پر قادر نہیں تو میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ ان کا میلہ کے رنگ میں یہاں آنا انہیں خود بھی گنہگار بناتا ہے۔ اور دوسرے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ جو انہیں دیکھتے ہیں وہ بھی ان کی وجہ سے گنہگار بنتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر ان کی سی حرکات کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں مثل مشہور ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اگر محلہ میں ایک شخص نماز نہیں پڑھتا۔ تو اسے دیکھ کر دو چار اور بچے بھی ایسے نکل آتے ہیں۔ جو نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی بچہ کو ماں کہتی ہے۔ کہ تم نماز پڑھا کرو۔ تو کہتا ہے۔ تم مجھے نماز کے لئے کہتی ہو فلاں شخص بھی نماز نہیں پڑھتا۔ اس لئے اگر میں نے نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا۔ پھر جب دو تین بچے سست ہو جاتے ہیں۔ تو پانچ سات اور ایسے ہو جاتے ہیں۔ جو ان کی نقل میں نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بائیں ڈانٹتی ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں سارا محلہ نماز نہیں پڑھتا میرا کیا ہے۔ اگرچہ محلہ میں

صرف پانچ سات اشخاص

ہی ایسے ہوتے ہیں۔ جو نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن وہ کہتے یہی ہیں کہ سارا محلہ نماز نہیں پڑھتا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ نماز کی عادت کم ہو جاتی ہے۔ یہی حال رسم و رواج کا ہے۔ آخر جب تک سگرٹ نہیں نکلا تھا۔ لوگ اس کے بغیر گزارہ کرتے تھے۔ لیکن اب جس کو بھی کہا جاتا ہے کہ تم سگرٹ نہ پیو تو وہ بہانے بناتا ہے۔ لیکن سگرٹ پینا ترک نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ لوگ دوسروں کو سگرٹ پیتا دیکھتے ہیں تو انہیں بھی سگرٹ پینے کا شوق آتا ہے اور وہ شوق میں سگرٹ پینا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے اور میر محمد اسحاق صاحبؓ نے حضرت ام المؤمنین (نور اللہ مرقدہا) کو گھر میں حقہ پیتے دیکھا۔ آپ کو ان دنوں نفخ کی تکلیف تھی۔ جس کی وجہ سے چند دنوں کے لئے حکیم نے علاج کے طور پر حقہ پینا بتایا تھا۔ ہم نے حقہ گھر میں دیکھا تو پینے کا شوق ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں حقہ لے کر بیٹھ گئے۔ اور اتنا حقہ پیا کہ مجھے بخار چڑھ گیا۔ اور مجھے اٹھا کر بستر پر لٹایا گیا۔ حضرت اماں جانؓ نے ہمیں حقہ پینے کی اجازت بچے سمجھ کر دے دی اور خیال کیا کہ یونہی منہ میں لے کر چھوڑ دیں گے اور خود کسی گھر تشریف لے گئیں۔ مگر ہم کھیل کھیل میں ایک دوسرے کے مقابل پر شرطیں لگا کر حقہ پیتے گئے۔ یہاں تک کہ مجھے بخار چڑھ گیا۔ پس عام طور پر لوگ ایک دوسرے کی نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چائے کی دکان پر بیٹھتا ہے۔ تو دوسرا شخص اُسے دیکھ کر وہاں بیٹھ جاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے فلاں شخص یہاں بیٹھا ہے میں بھی بیٹھ جاؤں تو کیا حرج ہے پھر دو تین اور آجاتے ہیں وہ ان دونوں کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو وہ بھی وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر دس بیس اور آجاتے ہیں اور پہلے چار پانچ آدمیوں کو وہاں بیٹھے دیکھ کر وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

ہوتے ہوتے جلسہ گاہ سے کافی تعداد سامعین کی غائب ہوجاتی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح اول رضہ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے۔فرماتے تھے۔ایک بادشاہ کے دربار میں صفائی کرنے کے لئے ایک خاکروبہ اور ایک خاکروب آیا کرتا تھا۔اس خاکروب اور خاکروبہ نے سؤر پال رکھے تھے۔اتفاقاً سؤر کا ایک بچہ مرگیا۔پالے ہوئے جانور سے انسان کو محبت ہوجاتی ہے۔چاہے وہ سؤر ہو یا کوئی اور جانور۔ان کے لئے سؤر کا بچہ ایسا ہی تھا۔جیسے ہمارے لئے گھوڑا یا کوئی اور جانور۔دربار کی صفائی کرتے ہوئے خاکروبہ کو اس سؤر کے بچے کا خیال آگیا۔اور وہ دربار کی ایک دیوار کے ساتھ اپنا سر رکھ کر رونے لگ گئی۔اتنے میں دربار کا ایک چپڑاسی آیا۔اس نے خاکروبہ کو دیکھ کر یہ خیال کیا۔کہ

خدانخواستہ

اندر کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔مجھے پتہ نہیں لگا۔اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا۔کہ میں نہیں رو رہا۔تو مجھ پر بے وفائی کا شبہ کیا جائے گا۔اس لئے وہ بھی رونے لگ گیا۔پھر کوئی چوبدار آیا۔اس نے کہا۔یہ دونوں رو رہے ہیں۔ضرور کوئی واقعہ ہؤا ہے۔مجھے پتہ نہیں لگا۔اگر کوئی شخص آگیا اور اس نے دیکھ لیا۔کہ میں رو نہیں رہا۔تو وہ خیال کریگا کہ مجھے نواب صاحب سے کوئی تعلق نہیں یہ خیال کرکے وہ بھی مصنوعی طور پر رونے لگ گیا۔پھر کلرک آئے انہوں نے بھی ان لوگوں کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔پھر چھوٹے افسران آئے۔درباری آئے۔وزراء آئے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا تو کام تھا کہ ہم ہر وقت خبر رکھیں۔لیکن ہمیں اس حادثہ کا کوئی علم نہیں ہؤا۔ضرور کوئی بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ رو رہے ہیں اگر ہم نہ روئے۔تو ہم پر بے وفائی کا شبہ کیا جائے گا یہ خیال کرکے وہ بھی رونے لگ گئے۔بڑے آدمیوں نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے آنکھوں پر رومال رکھ کر رونا شروع کر دیا۔اتنے میں ایک بڑا وزیر آیا۔وہ کچھ عقلمند تھا۔وہ رویا نہیں۔اس نے پاس والے وزیر سے دریافت کیا۔کہ

کیا بات ہوئی ہے

اس نے کہا۔مجھے تو علم نہیں۔میرے پاس والے وزیر رو رہے تھے۔اس لئے میں بھی رونے لگ گیا۔اس نے کہا۔اس سے پوچھو کیا بات ہے۔جب اس نے اس سے پوچھا۔تو اس نے کہا۔مجھے تو علم نہیں۔میرے ساتھ والا وزیر رو رہا تھا۔آخر بات خاکروبہ پر پہنچی۔اس سے دریافت کیا گیا۔تو اس نے بتایا کہ میرا سؤر کا بچہ مرگیا تھا۔مجھے وہ یاد آگیا۔تو میں نے رونا شروع کر دیا۔اب دیکھو خاکروبہ نے سؤر پالا تھا۔اس کا بچہ مرگیا اور وہ محبت کی وجہ سے رونے لگ گئی۔تو اسے دیکھ کر سارا دربار رونے لگ گیا۔اگر اس وقت بادشاہ دربار میں آجاتا تو سب کو معطل کر دیتا کہ تم میری بدخواہی چاہتے ہو۔پس انسان میں نقل کی عادت ہوتی ہے۔ایک شخص اگر کوئی کام کرتا ہے تو اُسے دیکھ کر دوسرا بھی وہی کام کرنے لگ جاتا ہے

پس میں جماعت کو متنبہ کرتا ہوں۔کہ جلسہ سالانہ پر وہ لوگ آئیں۔جو جلسہ گاہ میں بیٹھ کر تقاریر سُنیں اور جو لوگ تقاریر نہیں سن سکتے۔وہ جلسہ پر ہرگز ہرگز نہ آئیں۔ہرگز نہ آئیں۔پھر دوست صرف ان غیراز جماعت لوگوں کو ساتھ لائیں۔جن کو وہ جلسہ گاہ میں تقاریر کے دوران میں بٹھا سکتے ہیں۔جو غیراز جماعت لوگ یہاں آکر تقاریر نہیں سُنتے۔وہ فساد کی نیت سے یہاں آتے ہیں حصول علم کے لئے نہیں آتے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔میں ان کا انکار نہیں کرسکتا۔جو لوگ یہاں آکر بیمار ہوجائیں یا پہلے سے بیمار ہوں۔لیکن جلسہ پر اخلاص کی وجہ سے آجائیں۔اور وہ جلسہ گاہ میں سارا وقت نہ بیٹھ سکیں۔تو وہ بازاروں میں نہ پھریں۔دوکانوں پر نہ بیٹھیں۔بلکہ اپنی بیرکوں یا ان جگہوں میں بیٹھیں جہاں وہ ٹھیرے ہوئے ہیں۔

رمضان میں

ہر سال یہ شور پڑتا ہے۔کہ بازاروں میں کھانے پینے کی دوکانیں بند رہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر کھانے پینے کی عام اجازت ہو۔تو بچوں اور دوسرے لوگوں کی نظر میں روزہ کی کوئی اہمیت نہ رہے۔پس میں یہ نہیں کہتا کہ بیمار بھی جلسہ گاہ میں بیٹھیں۔انہیں تندرست رکھنا ہمارا کام ہے۔انہیں اپنی صحت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔وہ بے شک آرام کریں لیکن انہیں یہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ بازاروں میں جائیں۔اور دوکانوں پر بیٹھیں۔وہ جلسہ گاہ سے بیشک باہر چلے جائیں لیکن اپنی بیرکوں اور بیٹھکوں میں بیٹھیں۔اگر انہیں کوئی کرانک بیماری ہے تو الگ بات ہے۔ورنہ ہمارا ڈاکٹر موجود ہوگا۔اس کے پاس جاکر علاج کرانا چاہیئے۔بہرحال انہیں گھروں میں بیٹھنا چاہیئے۔تاکہ دوسرے لوگ ان کے بُرے نمونہ سے متاثر نہ ہوں۔

جماعت کے معنے ہی یہ ہیں۔کہ اس میں ایک نظم پایا جاتا ہو۔ہمارے ہاں تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔جو

تقاریر کے دوران میں

جلسہ گاہ میں نہ بیٹھے۔سوائے پہرہ داروں کے یا ان لوگوں کے جو کھانا پکانے اور کھلانے پر مقرر ہوں میں انہیں بھی کہوں گا۔کہ وہ اپنے فارغ وقت میں جلسہ گاہ میں بیٹھ کر تقاریر سنیں۔اگر وہ ڈیوٹی کے لئے جلسہ گاہ سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔تو دوسرے لوگوں کو ان کی نقل نہیں کرنی چاہیئے آخر ۳۵-۴۰ ہزار افراد کا کھانا پکانا آسان امر نہیں۔۳۵-۴۰ ہزار افراد کے لئے بیسیوں نان پز ہوتے ہیں بیسیوں پیڑے کرنے والے ہوتے ہیں بیسیوں دیگیں پکانے والے باورچی ہوتے ہیں۔سینکڑوں خدمتگار ہوتے ہیں۔۳۵-۴۰ ہزار افراد کی خدمت کرنے والوں کی تعداد پانچ سات سو یا ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ان لوگوں کو جلسہ گاہ سے اٹھنا پڑتا ہے۔انہیں اپنی ڈیوٹیوں کے سلسلہ میں اِدھر اُدھر چلنا پھرنا پڑتا ہے۔اگر وہ جلسہ گاہ سے باہر نہ جائیں۔تو باقی لوگ بھی جلسہ نہ سن سکیں۔لیکن یہ لوگ اس لئے ڈیوٹی پر رہتے ہیں تا باقی لوگ جلسہ سن سکیں۔اور بچے گم نہ ہوں۔یہ پہریدار ہی ہوتے ہیں۔جن کی وجہ سے گم شدہ بچے مل جاتے ہیں۔پچھلے جلسہ پر ایک دوست نے سنایا۔کہ وہ سڑک پر جا رہا تھا۔کہ دو عورتیں باتیں کرتی ہوئی پاس سے گزریں۔ایک نے اپنے پاس والی عورت سے کہا تم اپنے بچہ کی حفاظت نہیں کرتیں۔ایسا نہ ہو کہ وہ گم ہو جائے۔اس نے کہا تم پہلے سال یہاں آئی ہو۔میں کئی سال سے یہاں آرہی ہوں۔یہاں کوئی بچہ گم نہیں ہوتا۔جو گم ہوتا ہے لوگ پکڑ کر دے جاتے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پہریدار ہوشیاری سے کام کرتے ہیں۔بلکہ یہاں تو بعض اوقات دو دو دن کے بعد بھی بچے مل جاتے ہیں۔کیونکہ میں نے

پہریداروں کو یہ ہدایت

دی ہوئی ہے۔کہ اگر تم کسی کو بچہ اٹھائے لیجاتے دیکھ لو۔اور بچہ گھبرایا ہؤا ہو۔یا وہ رو رہا ہو۔تو تم اسے روک لو۔اور اس وقت تک اسے جانے نہ دو جب تک وہ اپنے آپ کو اس بچہ کا باپ ثابت نہ کردے۔اگر کوئی شخص بچہ اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہو۔تو اگر وہ شرارت سے ایسا کر رہا ہے۔تو بچے کی شکل سے ہی معلوم ہوجائے گا۔کہ اٹھا کر لے جانیوالے کا بچے سے کوئی رشتہ نہیں۔لازماً بچہ گھبرایا ہؤا ہوگا بیشک بعض دفعہ مٹھائی وغیرہ دے کر بھی بچوں کو چپ کرایا جاتا ہے لیکن بچے گھبرائے ہوئے ضرور ہوتے ہیں۔اور ان کے چہرہ سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شخص انہیں جبراً اٹھا کر لے جا رہا ہے۔اسی وجہ سے میں نے یہ مستقل ہدایت دی ہوئی ہے کہ جب بھی ایسا بچہ دیکھو۔اس شخص کو دفتر میں لے جاؤ۔اور جب تک وہ اپنے آپ کو بچہ کا باپ نہ ثابت کرے اسے نہ چھوڑو۔یہی وجہ ہے۔کہ چالیس سال سے جماعت کے اتنے بڑے جلسے ہو رہے ہیں۔لیکن ابھی تک خدا کے فضل سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہؤا کہ جلسہ کے موقعہ پر کوئی بچہ گم ہوگیا ہو۔خدا تعالےٰ کرے کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہو۔پس ان کاموں کے لئے بعض آدمیوں کو لگانا پڑتا ہے۔دوسرے لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہیئے۔کہ اگر یہ لوگ پھرتے ہیں۔انہیں ان کی نقل کرکے جلسہ گاہ سے نہیں اٹھنا چاہیئے۔

یہ لوگ جاگتے ہیں

اس لئے کہ تم سوؤ۔یہ لوگ چوکس رہتے ہیں۔اس لئے کہ تمہارے بچے گم نہ ہوں۔اگر انہیں دیکھ کر تم ان کی نقل کرنے لگ جاتے ہو۔تو یہ ایک بُرا بدلہ ہے جو تم ان کی خدمت کا دیتے ہو۔

پس باہر والے لوگ اگر جلسہ گاہ میں بیٹھ سکتے ہیں اور تقاریر سُن سکتے ہیں۔تو وہ جلسہ سالانہ پر آئیں ورنہ نہ آئیں۔اگر احمدی دوست جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بعض غیراز جماعت لوگ ساتھ لاتے ہیں۔تو وہ پہلے یہ دیکھ لیں۔کہ آیا وہ ان چند دنوں کے لئے ان پر کنٹرول کرسکتے ہیں یا نہیں۔اگر وہ سمجھتے ہیں۔کہ وہ ان پر کنٹرول کرلیں گے تو انہیں ساتھ لائیں۔اگر وہ پہلے سے بیمار ہیں لیکن شوق کی وجہ سے جلسہ سالانہ پر آجاتے ہیں۔یا یہاں آکر بیمار ہوجاتے ہیں۔تو وہ اپنی بیٹھکوں اور بیرکوں میں لیٹ کر آرام کریں۔وہ بیمار ہیں۔تو ڈاکٹر کے پاس جاکر علاج کرائیں۔وہ بازاروں میں نہ پھریں۔دوکانوں پر نہ بیٹھیں۔کیونکہ وہ خود تو معذور ہیں۔لیکن دوسرے لوگ دیکھ کر ان کی نقل کریں گے

پس میں باہر سے آنے والوں کو

یہ نصیحت کرتا ہوں

کہ وہ اس سال اس ارادہ کے ساتھ یہاں آئیں۔کہ وہ تقاریر پورے انہماک سے سنیں گے۔اور جلسہ کے دوران میں اِدھر اُدھر بازاروں میں نہ پھریں گے تا جماعت کے دوستوں کو جلسہ کے موقعہ پر تقاریر سننے کی عادت پڑ جائے۔اور ہمارا جلسہ جو کچھ عرصہ سے میلوں کا سا رنگ پکڑ رہا ہے۔پھر سے جلسہ کا رنگ اختیار کرلے۔ہمارا جلسہ اپنے ساتھ بہت سی روحانی برکات رکھتا ہے۔اگر کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے۔اور وہاں یونہی بیٹھا رہتا ہے۔عبادت نہیں کرتا۔تو کیا تم اس کے اس فعل کو عبادت کہو گے۔اس طرح جو لوگ جلسہ سالانہ پر مرکز میں آتے ہیں۔اگر وہ یہاں آکر جلسہ کی تقاریر سے پوری طرح مستفید نہیں ہوتے۔تو ان کا یہاں آنا بھی کسی برکت کا موجب نہیں ہوگا۔پس باہر سے آنے والوں اور یہاں کے مقامی لوگوں دونوں کو

اپنی اصلاح

کرلینی چاہیئے۔پچھلے جمعہ میں میں نے مقامی لوگوں کو نصیحت کی تھی۔کہ وہ اس سال ایک روٹی بھی ضائع نہ ہونے دیں۔یہ سخت مہنگائی کا زمانہ ہے۔جو شخص جلسہ کے موقعہ پر ایک روٹی بھی ضائع کرتا ہے وہ جماعت سے غداری کرتا ہے۔وہ ان کارکنوں سے غداری کرتا ہے۔جن کو زیادہ اخراجات ہوجانے کی وجہ سے آئندہ تنخواہیں نہیں ملیں گی۔وہ ربوہ کے دوکانداروں سے غداری کرتا ہے۔جن کے کاروبار محض کارکنوں کو تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے تباہ ہوجائیں گے۔

ہفت روزہ بدر — مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۳ء — قادیان

وقارِ عمل!

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مورخہ ۷ر جنوری کو ہندوستانی زراعتی ریسرچ کی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"میں نے اکثر ہاتھ کے کام کو ذلیل سمجھنے کے رجحان کے خلاف آواز اٹھائی ہے کیونکہ یہ رجحان مضر ہے۔ ہاتھ سے کام کرنا دن بدن زیادہ سے زیادہ معزز ہوتا جا رہا ہے۔ موجودہ زمانہ میں کوئی ایسا ملک ترقی نہیں کر سکتا جس میں ہاتھ کے کام کو ذلیل سمجھا جاتا ہو۔ پس ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ ہاتھ سے کام کرنا سیکھیں اور اس میں فخر محسوس کریں"۔

وزیر اعظم صاحب نے اپنے امریکہ کے دورہ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا۔ اس دورہ میں انہوں نے ایک زراعتی کالج کا معائنہ کیا۔ ایک پروفیسر نے ان کو بتایا کہ ایک ہندوستانی طالب علم نے گائے کا دودھ دُوہنے سے انکار کر دیا۔ یہ طالب علم ڈیری فارم کے نئے طریقے سیکھنے کے لئے امریکہ گیا تھا۔ اُس نے کہا کہ دودھ دُوہنا اور اس قسم کے اور معمولی کام وہ خود نہیں کر سکتا۔ یہ کسی اَور سے کرانے چاہئیں۔ اس پر پروفیسر نے ہندوستانی طالب علم کے اس رویہ پر بہت تعجب کا اظہار کیا۔

پنڈت نہرو صاحب نے کہا کہ "یہ ایک واقعہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھ کے کام کے خلاف لوگوں کے خیالات کس حد تک جا چکے ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کے متعلق یہ ہچکچاہٹ ضرور تعجب انگیز ہے۔ ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ ایسے رجحانات اور خیالات کو کلی طور پر اپنے اندر سے نکال دیں ورنہ ملک کی ترقی میں ایک بہت بڑی روک پیدا ہو جائیگی"۔

(بحوالہ ٹریبیون مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۵۳ء)

اوپر وزیر اعظم کا تازہ بیان لکھا جا چکا ہے جو انہوں نے بیرونی ممالک کے دورہ کے بعد اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے نتیجہ میں دیا۔ لیکن آج سے اٹھارہ سال پیشتر ہمارے امام سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے تحریک جدید کا اجراء فرمایا۔ اور اس میں ایک ضروری ارشاد ہاتھ سے کام کرنے کا بھی شامل کیا۔ اور دستی کام کی اہمیت اور ضرورت کو مختلف پیرایوں میں لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

"جو شخص (دستی) کام کرتا ہے وہ عزت کا مستحق ہے۔ اور جو کام نہیں کرتا بلکہ نکما رہتا ہے وہ اپنی قوم اور خاندان کے لئے عار اور ننگ کا موجب ہے"۔

(الفضل ۱۰ر اپریل ۱۹۳۸ء)

پھر آپ فرماتے ہیں:-

"جس قوم میں محنت کی عادت نہیں اس قوم میں سیاست اور تمدن بھی نہیں"۔

(الفضل ۲۲ر اپریل ۱۹۳۸ء)

"ہتک کام کرنے میں نہیں بلکہ نکما بیٹھ کر کھانے میں ہے"۔

پھر حضور عملی رنگ میں تمام جماعت کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے ان الفاظ میں ہدایت فرماتے ہیں:-

"میرے نزدیک مجلس خدام الاحمدیہ کو چاہیئے کہ وہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دن ایسا مقرر کریں جس میں ساری جماعت کو شمولیت کی دعوت دیں ۔ ۔ ۔ پس آئندہ کے لئے بجائے ایک گھنٹہ کے سارا دن رکھا جائے اس کے لئے یا تو جمعہ کا دن رکھ لیا جائے کہ اس دن دفاتر میں چھٹی ہوتی ہے۔ اور یا پھر آخری جمعرات کا دن رکھا جائے۔ تاجروں کے لئے کوئی مشکل ہے ہی نہیں وہ ہر دن چھٹی کر سکتے ہیں"۔

"خدام الاحمدیہ کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا کام صرف اپنے تک محدود نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ ساری جماعت کو شمولیت کا موقعہ دینا چاہیئے"۔

(الفضل ۱۷ر فروری ۱۹۳۹ء)

حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کے متعدد ارشادات کی روشنی میں خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ ہاتھ سے کام کرنے کو عار اور ہتک خیال نہیں کرتی۔ اور جن لوگوں کو ہماری جماعت کے افراد سے مراسم کا موقعہ ملا ہے۔ انہوں نے یہ خوشکن نظارے کئی بار دیکھے ہوں گے۔ کہ ظاہری اعتبار سے معزز ترین احمدی بھی یہاں تک کہ خود حضرت امام جماعت احمدیہ ہاتھ میں ٹوکریاں اور کدالیں لئے ہوئے رستوں کی درستی اور گلیوں کی صفائی میں معروف ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہاتھ کے کام کو "وقارِ عمل" کا نام دینا ہی ایک ایسی نفسیاتی تدبیر ہے جس سے اس گندی ذہنیت کا ازالہ ہوتا ہے۔ جس کی طرف پنڈت جی نے اشارہ کیا ہے۔ اور جو ہمارے ملک کی ترقی میں سنگِ گراں بنی ہوئی ہے۔

جماعت احمدیہ کے لئے جہاں یہ بات قابل فخر ہے کہ وہ ترقی یافتہ دنیا کے موجودہ رجحانات کے مطابق ہاتھ کے کام کو عار نہیں سمجھتی۔ اور اپنے مقدس امام کی ہدایات کی روشنی میں عملی رنگ میں بھی ہاتھ کے کام کی عزت اور وقار کو قائم کر چکی ہے۔ وہاں احباب جماعت کو آئندہ کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے امام و پیشوا کے ارشادات پر پورے طور پر عمل کریں اور جن جن جماعتوں اور افراد سے اس جہت میں کسی رنگ میں کمی یا کوتاہی ہوئی ہے۔ وہ اس کا تدارک کریں اور ملک اور قوم کے لئے اپنے وجود کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں۔

احباب جماعت کے لئے "وقارِ عمل" کے پروگرام پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ روحانی اور دینی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آقا کے ارشادات کو پورا کر کے ثواب کا موقعہ پاتے ہیں۔ بلکہ اس سے ملک کی ترقی اور سر بلندی کے لئے بھی رستہ کھلتا ہے اور اس غلامانہ ذہنیت کا قلع قمع ہوتا ہے۔ جو ہمارے ملک کی ترقی اور تفوق کی راہ میں صدیوں سے روک بنی ہوئی ہے۔

بے شک ہمارے ملک کو آزادی کی نعمت حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن وہ خصائص اور اخلاق جو آزاد قوموں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ابھی تک ہم میں سے اکثر میں مفقود نظر آتے ہیں۔ احباب جماعت کے لئے جن میں خدا تعالےٰ نے نئی زندگی کی رَو چلائی ہے۔ دوسرے لوگوں کے واسطے اعلےٰ نمونہ پیش کرنے کا بہترین موقعہ ہے جس سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

خدا تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

معجزۂ شق القمر اور دودھ دینے والا بکرا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی معرکتہ الآراء تصنیف سرمہ چشم آریہ میں معجزۂ شق القمر پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"یہی معجزۂ شق القمر جو لالہ مرلیدھر صاحب کی نظر میں پرمیشر کے ازلی ابدی قانونِ قدرت کے خلاف ہے ایسے سوانحہ پر یقین لانا یا نہ لانا اپنے علمِ وسیع یا محدود پر موقوف ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں ہو سکتی کہ واقعہ علوم طبعی یا ہیئت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ قدرت قادریہ کاملہ کے موافق یا مخالف ہونا بعد احاطۂ قدرت کے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ علوم ناقصہ ہیئت و طبعی جو ہمارے دفتروں میں منضبط ہیں وہ اس تعریف کے ہرگز لائق نہیں جو انہوں نے کوئی دقیقہ اور کوئی امر تہ میں چھپا ہوا نہیں چھوڑا۔ اور نہ ایسا بھروسہ کرنا ان پر عقلمندی ہے۔ خواص جدیدالظہور کا ایک عجیب کرشمہ ہے جو ہمیشہ قیاسی علوم کی بربادی اور بے عزتی کرتا رہا ہے اور کرتا رہیگا اور جس طرح ہمارے زمانہ نے ایسے علوم جدیدہ پائے جن سے پہلے لوگ بےخبری میں گذر گئے یا باطل کو حق کہتے رہے سو ایسا ہی ممکن ہے بلکہ قرین قیاس ہے کہ آئندہ آنے والی ذریت اس زمانہ کی غلطیاں نکالے۔ اور وہ باتیں ان پر ظاہر ہوں جو اس زمانہ پر ظاہر نہیں ہوئیں"۔ صفحہ ۳۲-۳۳

پھر ان خارق عادت واقعات کے متعلق تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کچھ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ مظفر گڑھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ کو بھی اطلاع ہوئی۔ تب انہوں نے یہ ایک عجیب امر قانون قدرت کے خلاف سمجھ کر وہ بکرا اپنے روبرو منگوایا۔ چنانچہ وہ بکرا جب انکے روبرو دوہا گیا تو شاید قریب ڈیڑھ سیر کے دودھ اُس نے دیا۔ اور پھر وہ بکرا حکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا تب ایک شاعر نے اس پر ایک شعر بھی بنایا اور وہ یہ ہے:

مظفر گڑھ جہاں پر ہے مکالف صاحب عالی
یہاں تک فضل باری کہ بکرا دودھ دیتا ہے (صفحہ ۳۹)

اس چودہویں صدی کے علماء نے استہزاء کا طریق اختیار کیا کہ کیا بکرا بھی دودھ دیا کرتا ہے۔ اور جا بجا اس پر اپنی مجلسوں میں آوازے کسنے شروع کئے انکے جواب میں جماعت احمدیہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً دودھ دینے والے بکرے کی شہادتیں پیش کی جاتی رہی ہیں اسی ضمن میں ایک تازہ شہادت پیش کی جاتی ہے درج ھذا ہے۔ اخبار روزنامہ "صدائے عام" پٹنہ جلد ۱۱ نمبر ۲۹۲ مورخہ ۱۲ر دسمبر (مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء) میں مندرجہ ذیل خبر بزیر عنوان "قدرت کا عجیب کرشمہ" شائع ہوئی ہے: "احمد آباد ۱۹ر دسمبر۔ احمد آباد ضلع کے ڈیل گاؤں میں ایک بکرا روزانہ دو پونڈ دودھ دیتا ہے۔ اسکے دیکھنے کیلئے آس پاس کے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی ہے۔ یہ دو سال

شہنشاہ اکبر

ہندوستانی نیشنلزم کا بانی!

از قلم آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو

(۱)

تعصب کا برا ہو۔ کہ اس بیماری میں مبتلا شخص کو کسی کی نیکی اور خوبی بھی برائی اور کوتاہی بن کر نظر آتی ہے۔ آج ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں منصف مزاج اور رواداری لوگ گذشتہ مسلمان بادشاہوں کے متعلق اپنے اچھے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں وہاں متعصب لوگ ان مسلمانوں کی خوبیوں اور نیکیوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی عیب شماری اور نکتہ چینی ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے بادشاہ ہوں یا رعایا۔ اخلاق حسنہ اور خصائل عالیہ سے یکسر محروم ہیں۔ ایسے متعصب اور حقائق سے آنکھیں بند کرنے والے لوگوں کے لئے ذیل میں ہم آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو کی مشہور کتاب Glimpses of World History میں سے کچھ اقتباسات کا ترجمہ جو شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کے متعلق ہیں پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ اقتباسات قارئین کے لئے باعث دلچسپی ہوں گے۔

(ایڈیٹر)

"شہنشاہ اکبر نے تقریباً پچاس سال تک (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء تک) ہندوستان پر حکومت کی۔ اکبر کا نام تاریخ ہند میں نمایاں اور ممتاز ہے اور بعض رنگوں میں اس سے اشوک کی یاد تازہ ہوتی ہے یہ بات تعجب انگیز ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح کا ایک بدھ شہنشاہ اور سولھویں صدی کا ایک مسلمان شہنشاہ ایک ہی طرز و طریق اور ایک ڈھنگ اختیار کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ خود ہندوستان کی آواز ہے۔ جو اس کے دو عظیم الشان فرزندوں کے ذریعہ سے بلند ہوئی۔

اکبر نسل میں بابر سے تیسرا تھا۔ لیکن مغل ابھی اس ملک میں نئے نئے آئے تھے۔ اور وہ غیر ملکی کہلاتے تھے۔ ان کا ملک پر قبضہ بھی محض فوجی طاقت کے ساتھ تھا۔ یہ اکبر ہی تھا جس نے اپنے خاندان کو ہندوستان میں قائم کیا۔ اور اس کو ہندوستانی نظریہ والا بلکہ ہندوستانی مٹی کا بنا دیا۔ اسی کی حکومت میں مغلوں کے لئے "مغل اعظم" کا نام یورپ میں استعمال ہونے لگا۔

اکبر ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ اور اس کو بے پناہ طاقت حاصل تھی۔ اس کے زمانہ میں بادشاہ وقت کے اختیارات کی حد بندی کرنے کے متعلق کسی کی طرف سے سرگوشی نہ تھی۔ اکبر ایک عقلمند خود مختار بادشاہ تھا۔ اور وہ ہندوستانی لوگوں کی بہبودی کے لئے بہت محنت و مشقت [illegible]۔ ایک لحاظ سے اس کو ہندوستانی قومیت [illegible] ہو گا۔ اس وقت جب [illegible] تصور نہ تھا۔ اور مذہب کی تفریق [illegible] باعث تھا۔ اکبر نے پورے زور سے مشترکہ ہندوستانی قومیت کو مذہبی اختلافات پر فائق کیا۔ اگرچہ وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ تاہم اسے اپنی کوشش میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

. . . .

ایک سیاستدان کی حیثیت سے بھی اکبر اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ خود اس کی اپنی قوت اور ملک و قوم کی طاقت کا راز باہمی اتحاد و اتفاق میں مضمر ہے۔ وہ ایک نڈر جنگجو اور قابل جرنیل تھا۔ اشوک کی طرح وہ لڑائی سے متنفر نہ تھا۔ لیکن وہ محبت کی جیت کو تلوار کی جیت پر ترجیح دیتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ محبت کے نتائج زیادہ پائدار ہوتے ہیں۔ پس اس نے پوری توجہ سے ہندو امراء اور عوام کے دلوں کو فتح کرنے کا کام شروع کیا۔

اس نے ہندوؤں پر جزیہ کا ٹیکس اور یاترا کا ٹیکس معاف کر دیا۔ اس نے ایک راجپوت لڑکی سے خود بھی شادی کی۔ اور بعد میں اپنے لڑکے کی شادی بھی ایک راجپوت لڑکی سے کرائی۔ اور اس نے ایسی مخلوط شادیوں کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ اس نے ہندو امراء کو سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز کیا۔ اس کے بہت سے قابل ترین جرنیل وزیر اور گورنر ہندو تھے۔ راجہ مان سنگھ کچھ عرصہ کے لئے کابل کا گورنر بھی مقرر کیا گیا۔ راجپوت اور ہندو عوام کی دلجوئی کے لئے بعض دفعہ اکبر اس قدر آگے بڑھ گیا کہ وہ اپنی مسلمان

رعایا کے ساتھ بے انصافی کا مرتکب ہو جاتا تھا۔ بہرحال وہ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور راجپوت اس کی عزت اور عظمت و تکریم کے لئے اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

جسمانی اعتبار سے اکبر غیر معمولی طور پر مضبوط اور چابکدست تھا۔ وہ سب سے زیادہ وحشی اور خونخوار جانوروں کے شکار کو پسند کرتا تھا وہ ایک بے خوف و خطر اور بہادر سپاہی تھا اس کی حیرت انگیز طاقت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ نو دن کے قلیل عرصہ میں آگرہ سے احمد آباد پہنچ گیا۔ گجرات میں ایک بغاوت پھوٹ پڑی۔ اور اکبر ۴۵۰ میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اور راجپوتانہ کے ریگستان میں سے گذرتے ہوئے وہاں پہنچا۔ یہ حقیقتاً ایک بہت بڑا کمال تھا۔ اسی زمانہ میں کوئی ریل گاڑی اور موٹر کاریں نہ تھیں۔

لیکن ان سب خوبیوں کے علاوہ عظیم شخصیتوں میں کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ اور وہ مقناطیسی کشش ہے۔ جو لوگوں کو ان کے گرد جمع کر دیتی ہے۔ اکبر میں یہ ذاتی کشش اور جذب زائد انسانی کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ عیسائی مورخ کے الفاظ میں اس کی زبردست آنکھیں اس طرح چمکتی ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں سمندر کی لہریں۔

کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ یہ عظیم الشان شخص اب بھی ہمیں مسحور کرتا ہے اور سلطنت و اقتدار اور انسانیت کا یہ مجسمہ بے شمار لوگوں کے مجمع میں نمایاں طور پر بلند اور اونچا نظر آتا ہے!" (صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۴)

اردو زبان

(جس میں ۵ کروڑ انسان کلام کرتے ہیں!)

پنڈت جواہر لال صاحب نہرو وزیر اعظم ہندوستان اپنی مشہور کتاب Glimpses of World History کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:-

"آہستہ آہستہ فوجی کیمپوں اور بازاروں میں ایک نئی زبان نے ترقی کرنا شروع کر دیا جس کا نام "اردو" ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں۔ یہ زبان دراصل تھوڑی سی ظاہری تبدیلی کے ساتھ ہندی ہی تھی ہاں اس میں بہت سی تعداد فارسی الفاظ کی شامل ہو گئی لیکن اس کے باوجود یہ ہندی ہی تھی۔ یہ ہندی اردو زبان جیسا کہ بعض اوقات اسے ہندوستانی بھی کہا جاتا ہے۔ تمام شمالی اور وسطی ہندوستان میں پھیل گئی۔ اور اب اس کو تقریباً ۵ کروڑ لوگ بولتے ہیں۔ اس کو سمجھنے والوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے اس طرح یہ زبان تعداد کے اعتبار سے دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے"۔

پنڈت جی کی اردو زبان کے متعلق مندرجہ بالا تشریح کے ہوتے ہوئے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس زبان کو جو ہندوستان کی مختلف قوموں کے اتحاد کا ہی نہیں بلکہ اس کے ہمسایہ ملکوں کے اتحاد کا بھی ایک بڑا ذریعہ اور نشان ہے۔ اور دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ آج اس کے اپنے وطن اور ملک میں مٹانے کی کوشش جاری ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے اہل وطن اس کی قدر کو سمجھیں۔ اور جہاں ہندی کو پروان چڑھانے اور ترقی دینے کے لئے کوشش کریں وہاں "اردو" کو بھی جو ہندی کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ رکھتی ہے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیں۔

یہ بات افسوسناک ہے کہ باوجود اس کے کہ "دستور ہند" میں اردو زبان کو ہندوستان کی ایک زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر بھی اردو زبان کی ترقی و ترویج میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ بالخصوص یو۔پی کے صوبہ میں جو اردو زبان کا اصل وطن اور گھر ہے۔ اس زبان کو بعض حلقوں کی طرف سے برداشت نہیں کیا جاتا۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ وہ اہل وطن جو محبت و اتحاد کی قدر کو پہچانتے ہیں۔ اور ملک کی ترقی اور سربلندی چاہتے ہیں۔ اس قیمتی سرمایہ کو ضائع نہ ہونے دیں گے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ عدم تعمیل کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔

(مینیجر)

احمدیت شجرِ اسلام کی کوئی ایک کونپل یا شاخ نہیں بلکہ یہ بذاتِ خود اسلام ہی کا دوسرا نام ہے

انتہائی شدید مخالفت کے باوجود اس تحریک کا قدم آگے ہی بڑھ رہا ہے!

جہاں برصغیر میں اس کے ماننے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے وہاں یورپ ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک میں اس کی جماعتیں قائم ہیں

جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی کے متعلق ایک انگریز مستشرق کے تاثرات

احمدیت کی روز افزوں ترقی کے متعلق جس انگریز مستشرق کے تاثرات ذیل میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ وہ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ ہیں۔ وہ پچیس سال تک بسلسلہ ملازمت برصغیر میں مقیم رہ چکے ہیں۔ شروع ہی سے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے۔ چنانچہ ریٹائر ہونے کے بعد عرصہ تک انگلستان میں مذاہب عالم کے تحقیقاتی ادارے (The Society for promoting the study of Religions) کے صدر رہے۔ ۱۹۳۶ء میں جب کلکتہ میں انٹرنیشنل پارلیمنٹ آف ریلیجنز منعقد ہوئی۔ تو اس کے ایک اجلاس کی صدارت کا اعزاز ان کے حصہ میں آیا۔ اور وہ محض اس پارلیمنٹ میں شرکت کی غرض سے ایک بار پھر ہندوستان واپس آئے۔ انہوں نے "قیام ہندوستان کے تجربات" پر انگلستان میں متعدد لیکچر دیئے۔ اور ساتھ ہی انہیں قلمبند بھی کرتے رہے۔ جنہیں بعد میں "Dawn in India" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ حسب ذیل اقتباس اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہندوستان میں مسلمانوں میں ایک اصلاحی اور مذہبی تحریک اٹھی ہے ۱۸۹۰ء کے قریب وہ زمانہ کا ہی زمانہ تھا کہ جب احمدیت کی تحریک معرض وجود میں آئی۔ اس کی بنا (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) نے جیسا کہ انہوں نے خود اس کا اظہار کیا ہے۔ الٰہی منشاء اور حکم کے تحت ڈالی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ وہی مہدی موعود ہیں جس کے آنے کی خبر پیغمبر اسلام حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دی تھی۔ اور وہ وہی مسیح ہیں جس کی آمد ثانی کی انجیل میں پیشگوئی موجود ہے۔ آپ کے متبعین کے نزدیک اس تحریک کو اسلام سے وہی نسبت ہے۔ جو آغاز کار عیسائیت کو یہودیت سے تھی۔ لیکن احمدیت شجرِ اسلام کی محض ایک کونپل یا شاخ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بذاتِ خود اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کے بانی نے کبھی یہ دعوے نہیں کیا۔ کہ وہ کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت لے کر آئے۔ ان کا دعوے صرف یہ تھا۔ کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو اس کی اصل شکل میں پھر پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے یہ نہیں کہا۔ کہ وہ اس بات پر ایمان لائیں کہ مسیح کی روح ان میں حلول کر گئی ہے۔ انہوں نے صرف یہی دعوے کیا کہ میں مسیح کی خو بو اور اس کے اوصاف لے کر اس دنیا میں مبعوث ہؤا ہوں۔

سچا مذہب دنیا میں موجود ہے۔ لیکن لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ مذہب کیا ہے؟ خدا کی ہستی پر کامل ایمان! خدا جو رحمان و رحیم ہے اپنے بندوں کو کبھی اس حال میں نہیں چھوڑتا۔ کہ وہ دنیا داری اور معصیت کی راہوں میں بھٹکتے رہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان کی راہ نمائی اور فلاح و نجاح کے لئے کوئی سامان نہ کرے۔ وہ اپنے بندوں پر ماں اور باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ ماں باپ تو صرف بچے کی تخلیق کا ایک ذریعہ ہیں۔ لیکن خدا خالق ہی نہیں۔ بلکہ انسان کی زندگی کا منتہا و مقصود بھی ہے۔ نظریہ توحید پر کامل ایمان رکھتے ہوئے انسان کو اپنی زندگی ایسے طریق پر ڈھالنی چاہیئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی کمالات سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ خدا تعالےٰ کی ذات سے اس درجہ محبت ہونی ضروری ہے۔ کہ اس کے سامنے اور کسی فرد یا شے کی محبت نہ ٹھہر سکے۔ انسان ترقی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ ایسی زنجیروں میں جکڑا ہؤا نہیں کہ جنہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے نہ کر سکتا ہو۔ خدا اپنی رضاء کے دروازے کبھی کسی پر بند نہیں کرتا۔ ہر شخص حسب مراتب خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے انبیاء اور مصلحین بھی جنہیں خدا تعالےٰ کا قرب حاصل ہؤا۔ وہ انسان ہی تھے اور انسان ہی رہے۔ ترقی کے جو دروازے ان پر کھولے گئے۔ وہ دوسروں کے لئے بھی کھلے ہیں۔ البتہ خدا تعالےٰ نے اپنے اور بندے کے درمیان کسی کو "اربابًا من دون اللہ" بننے کی اجازت نہیں دی۔ تمام نبی اور رسول صرف پیشوا تھے۔ نہ کہ خدا کی خدائی میں شریک۔ ہر شخص کے لئے روحانی ترقی کا میدان کھلا ہے۔ جو بھی دستک دے گا۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے ضرور کھلیں گے۔

یہ ہے خلاصہ (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) کی تعلیم کا۔ ان کے متبعین اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے ان تمام خرابیوں کو دور کر کے جو مرور زمانہ سے اسلام میں داخل ہو گئی تھیں اس کے ہر پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی پاک زندگی ان کی صداقت پر گواہ تھی۔ انہوں نے وقت سے، روپے پیسے سے، زبان سے، قلم سے اور اپنے ذاتی کردار سے اسلام کی خدمت کی۔ ان کی تمام زندگی اول سے آخر تک تقوےٰ و طہارت کا ایک نمونہ تھی۔ وہ محض باطنی القاء سے مشرف نہیں تھے۔ بلکہ براہِ راست مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ انہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے صاف اور واضح الفاظ میں وحی ہوتی تھی۔ اگرچہ وہ قادیان جیسے غیر معروف اور چھوٹے سے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اور اس گمنام جگہ میں ہی مقیم رہ کر وہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے جد و جہد کرتے رہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ ان پر یہ منکشف فرمایا۔ کہ تین سو سال کے اندر اندر تمام مغربی ممالک اسلام کی آغوش میں آجائیں گے۔ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے نہایت قلیل تعداد میں رہ جائیں گے۔

ابتداء ہی سے انہیں نہایت نہایت شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن پھر بھی وہ تحریک جس کی بنا انہوں نے اپنے ہاتھ سے ڈالی تھی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اس تحریک کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں۔ ان کے ماننے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور یورپ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں بھی جماعت احمدیہ کی شاخیں قائم ہیں۔ (الفضل)

(ترجمہ ڈان ان انڈیا صفحہ ۲۴۳)

بنارس چھاؤنی کے ایک معترض بھائی کے چند سوالات کے جوابات

از مکرم مولانا محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ

(۱)

جناب حمید اللہ صاحب قریشی مدیر بنارس چھاؤنی نے بعض اعتراضات سلسلۂ احمدیہ کے متعلق تحریر فرمائے تھے جن کے جوابات جناب مولانا محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے قلمبند کر کے بھجوائے ہیں۔ ہم ان جوابات کو شکریہ سے شائع کرتے ہیں۔ اگر ہمارے معترض بھائی ان جوابات میں کوئی تلخی محسوس کریں۔ تو ہمیں معاف فرمائیں۔ کیونکہ مجبوراً اور جواباً ایسا کیا گیا ہے۔ ورنہ ہم ہر حق پسند اور تحقیق حق کے خواہشمند کا دلی احترام کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

حال ہی میں مکرم جناب ایڈیٹر ہفتہ وار "بدر" قادیان نے ہمیں ایک خط بھیج کر فرمائش کی ہے کہ اس کا مختصر جواب اس رنگ میں قلمبند کیا جائے کہ اخبار میں شائع ہو سکے۔ یہ خط بنارس چھاؤنی سے بھیجا گیا ہے۔ اور اس کے شروع میں ایڈیٹر صاحب موصوف کی سنجیدگی، انسانی ہمدردی اور پُرخلوص طبیعت کا فراخدلی سے اعتراف کیا گیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ "میں یہ واضح کر دینا مناسب تصور کرتا ہوں کہ مجھے مذہب سے بہت ہی کم واقفیت ہے۔"

ہمیں اقرار ہے کہ خط زیر نظر کی یہ تمہید واقعی ایک شستہ تحریر ہے مگر افسوس کہ آگے چل کر بلاوجہ تلخ نوائی اور دلآزاری کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "۱۔ مرزائی ایک نئی امت اور نئے مذہب کے پیرو ہیں۔ ۲۔ مرزائیوں کی تبلیغ ان کا فریب ہے۔ ۳۔ وہ مسلم معاشرہ میں گھس کر ملت اسلامیہ کو دیمک کی طرح چاٹ جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ۴۔ یہ تبلیغ کے لئے خفیہ ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں۔ ۵۔ مرزائیوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ اسلامی نقاب اتار دیں۔ ۶۔ ان کا تار و پود بکھر کر رہے گا۔ ۷۔ مرزائی حواس باختہ ہو گئے ہیں۔ ۸۔ واہی تباہی بکتے ہیں۔ ۹۔ ہندوستان پر حملہ کا خواب دیکھنے والے ہیں۔ ۱۰۔ انگریزی آقاؤں والے ہیں۔ ۱۱۔ دینِ قادیان بھی کیا ہے چیں چوں کا مربہ ہے۔ ۱۲۔ مرزائیوں کے ہفوات ۱۳۔ انہی پرچھوٹی ہیں ۱۴۔ روٹیوں کے بھوکے ہیں۔ ۱۵۔ اَن گنت انسانوں کے حقوق پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

کبھی وہ تمہید اور کبھی یہ "کھٹ پھٹ" حالانکہ اگر انسان چاہے تو سلیقے کے ساتھ ہر قسم کی بات کر سکتا ہے۔

جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

مگر جب بلاوجہ ستانا مقصود ہو۔ تو گالی گلوچ کے بغیر دل کی بھڑاس کیونکر نکل سکتی ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا کچھ مشکل نہیں مگر ہم نے زیر نظر خط سے صرف اتنی گذارش کریں گے ؎

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ذیل میں بطرز قولہٗ و اقول مشمولہ امور کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

قولہٗ: مرزائیت کے خلاف پاکستانی مسلمانوں کا ایجی ٹیشن "مطلب سعدی دیگر است" کا مصداق ہے یعنی پس پردہ برسر اقتدار پارٹی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی دیرینہ خواہش کار فرما ہے۔

اقول: حق بر زبان جاری۔ کیا پتے کی بات کہی ہے۔ مگر اب تو یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ احرار نے احمدیت کی مخالفت اپنے سیاسی پروگرام کی تکمیل کے لئے بطور شارٹ کٹ اختیار کر رکھی ہے۔ ورنہ انہیں بھلا دین و ایمان سے کیا واسطہ! آخر احرار جو ہوئے وہ لوگ جو اللہ اور رسول کا طوق غلامی نہ پہنیں ان کے نزدیک نوزائیدہ حکومتیں کس کھیت کی مولی ہیں کہ اُن کی اطاعت کا جوا گردن پر رکھیں۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ احرار کی ساری تاریخ "جیب تراشی" اور تخریبی سرگرمیوں کا مرقع ہے۔ سچ ہے ؎

نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی

قولہٗ: مرزا صاحب کے اقوال کے پیش نظر ان کے پیروؤں کا امتِ مرحومہ سے دور کا بھی تعلق نہیں پایا جاتا ہے۔

اقول: کس قدر غلط فہمی ہے یہ سُنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فرماتے ہیں:۔

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

پھر فرمایا:۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است
این است کام دل اگر آید میسّرم

بایں ہمہ اگر دور حاضر کے نام نہاد مسلمان ہمارے اسلام میں شک کریں تو اس ستم ظریفی کا کیا علاج؟

قولہٗ: مرزائیوں کا دوسرے مسلمانوں سے کوئی میل جول نہیں رہا۔ نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ نہ ان سے رشتۂ مناکحت کرتے ہیں۔ نہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ مزید برآں اپنے تئیں ایک علیحدہ امت بھی تصور کرتے ہیں۔

اقول: اگرچہ یہ اعتراض صد درجہ فرسودہ ہے تاہم اگر سچی "زود پشیمانی" کا رنگ پیدا ہو جائے۔ تو ہم سمجھیں گے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ گیا مگر جہاں تک ہمارا تجربہ ہے، ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ اس کے پس پردہ بغض و عناد کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ حق یہ ہے کہ "سواد اعظم" نے خود ہمیں بائیکاٹ کیا۔ اور آج پاکستان میں جو احرار نے ہمارے خلاف ادھم مچا رکھی ہے۔ تو وہ بھی دراصل اسی بائیکاٹ کا اُبال ہے۔ یقین نہ آئے تو مولوی عبد الاحد صاحب کی بنوری کی ایک پرانی کتاب "اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی" کا مندرجہ ذیل حوالہ پڑھ لیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"مخفی نہ رہے کہ جب طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت ذلیل ہوا۔ جمعہ و جماعات سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کئے گئے اور جہاں قیصری باغ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے وہاں سے حکماً روکے گئے۔ تو نہایت تنگ ہو کر مرزا قادیانی سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کریں۔ تب مرزا نے ان کو کہا کہ صبر کرو۔ میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں۔ اگر صلح ہو گئی تو مسجد بنانے کی حاجت نہیں۔ اور نیز بہت قسم کی ذلتیں اٹھائیں، معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہو گیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھینی گئیں۔ مُردے ان کے بے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے۔ وغیرہ وغیرہ ص۲"

کس قدر گھناؤنا ماضی ہے ہمارے ان مہربانوں کا جو ہمیں آئے دن کوستے دیتے رہتے ہیں کہ احمدی مسلمانوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے نہ ان سے رشتۂ مناکحت کرتے ہیں اور نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "البادی اظلم" کے جبر و تشدد کی ابتدا کرنے والا اصل ظالم ہے کاش ہمیں مطعون کرنے والے اپنے "اخلاف اسلاف" کا جائزہ لیں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ذرا شرمائیں۔ ممکن ہے کہ کچھ پاپ جھڑ جائیں۔ ہم تو بمصداق تیر در پشت برجانِ درویش ظلم ظالماں کی تاب نہ لا کر کراہنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ بے طرح بگڑ رہے ہیں گویا ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

قولہٗ: مدعی نبوت اپنے منکروں کو کافر اور ناری قرار دیتے ہیں۔

اقول: تو آپ کے خیال میں منکر کا نام مومن اور جنتی ہونا چاہئے؟ خیال تو قابل داد ہے مگر پھر ایمان لانے والوں کو کیا کہا جائے گا؟ خدا جانے معترض نے لفظ کافر کو گالی کیوں سمجھ رکھا ہے حالانکہ خود قرآن کریم میں آیا ہے۔

"مَن یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا۔"

یعنی جس نے شیطان کا کفر کیا اور اللہ پر ایمان لایا۔ سو اس نے یقیناً اس مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جس کے لئے ٹوٹنا نہیں (سورہ بقرہ)

اب اس آیت میں جس کفر کا تذکرہ ہوا اس پر کون فخر نہیں کرتا؟ غرض کفر اپنی ذات میں کچھ چیز نہیں البتہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کس چیز کا کفر ہے؟ پھر اس چیز کی اچھائی یا برائی پر کفر کی نوعیت کا دار و مدار ہوگا۔ القصہ اصل چیز حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ہے۔ جس کے صدق و کذب پر کفر و ایمان کی بھلائی برائی کا انحصار ہے۔ لیکن اگر معترض کے خیال میں آپ کا دعویٰ برحق نہیں ہے۔ تو آپ کا کفر و انکار تو موجب فخر و ناز ہونا چاہیئے پھر شکوہ کیوں؟ مزید برآں یاد رہے کہ اس باب میں بھی بارِ گناہ ہمارے مخالفین کی گردن پر ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکروں کو کافر کہنے میں پہل نہیں کی بلکہ خود آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو کافر گروں نے پہلے کافر قرار دیا ہے چنانچہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے۔ اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتوؤں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے منہ کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں۔ ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگا دیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دلآزار ہے۔ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتوؤں کے ذریعہ سے کافر

ٹھہرا چکے اور آپ بھی اس بات کے قابل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے۔ تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہیں کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

رہا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکروں کو ناری اور دوزخی کہا ہے۔ تو یاد رہے کہ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ آخر منکر منکر میں بھی فرق ہوتا ہے۔ پھر سب منکروں کو یکساں قابل تعزیر کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟ حضرت مرزا صاحب کے منکر تو درکنار آپ کے نزدیک تو کسی نبی حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کا ہر منکر بھی ناری اور دوزخی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ حقیقۃ الوحی ص ۱۷۸ میں فرماتے ہیں:۔

"جو شخص مسلوب العقل کی طرح ہے اور انسانی قوتوں سے کم حصہ رکھتا ہے اس کا حساب خدا کے سپرد کرنا چاہئے اس کے بارہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔۔ وہ ان انسانوں کی طرح ہے جو خورد سالی اور بچپن میں مر جاتے ہیں۔۔۔۔۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ اس کے حواس اس لائق ہیں یا نہیں کہ مسئلہ توحید اور رسالت کو سمجھ سکے۔"

پھر فرمایا:۔

"اگر فرض کے طور پر کوئی ایسا شخص دنیا میں ہو کہ باوجود پوری نیک نیتی اور ایسی پوری پوری کوشش کے کہ جیسا کہ وہ دنیا کے حصول کے لئے کرتا ہے اسلام کی سچائی تک پہنچ نہیں سکا تو اس کا حساب خدا کے پاس ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۸)

پھر فرمایا:۔

"ایسا ہی عقیدہ میرا آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کے بارے میں بھی یہی ہے کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی ہے اور وہ آپ کی بعثت سے مطلع ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک آنحضرت صلعم کی رسالت کے بارہ میں اس پر اتمام حجت ہو چکا ہے وہ اگر کفر پر مر گیا۔ تو ہمیشہ کی جہنم کا سزاوار ہوگا۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۸) گویا ہر کافر اور منکر دوزخی نہیں۔

نیز فرمایا:۔

"ڈاکٹر عبد الحکیم خان ۔۔۔۔ میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا اور گو وہ ایسے ملک میں ہو گا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے کسی کتاب یا کسی اشتہار میں ایسا نہیں لکھا۔ اس پر فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی میری کتاب پیش کرے۔ جس میں لکھا ہے۔ یہ تو بدیہی امر ہے کہ بداہت کوئی عقل اسکو قبول نہیں کر سکتی۔ جو شخص بکلی نام سے بھی بے خبر ہے اس پر مواخذہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ چونکہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا نے عام طور پر میرے لئے آسمان سے نشان ظاہر کئے ہیں۔ پس جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمام حجت ہو چکا ہے اور میرے دعویٰ پر وہ اطلاع پا چکا ہے وہ قابل مواخذہ ہوگا۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

یہ واضح، صاف اور مفصل حوالے بتاتے ہیں کہ معترض کا اعتراض واقعی بے محل اور بے بنیاد ہے۔

قولہ:۔ ایک طرف تو آمد مسیح و مہدی کا تمسخر اڑایا گیا اور دوسری طرف مسیح و مہدی ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

اقول:۔ جو لوگ مسیح ابن مریم کو دو ہزار سال سے چرخ چہارم پر جوں کا توں بجسم خاکی زندہ مانتے ہیں اور انہی کی آمد ثانی کے قائل ہیں، وہ سچ مچ ایک ایسا مضحکہ خیز عقیدہ رکھتے ہیں کہ جسے قرآن و حدیث اور عقل و نقل دور سے دھکے دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احمدیہ جماعت از روئے قرآن و حدیث و عقل و نقل حضرت مسیح ناصریؑ کو وفات یافتہ مانتی ہے۔ اور اگرچہ ابتداء میں ہمارے اس عقیدہ کی وجہ سے عام مسلمان بہت جز بز ہوئے مگر تابکے؟ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی قادر الکلامی، قوت استدلال اور مدلل و مبرہن تحریرات کے سامنے کچھ پیش نہ گئی آخر نوبت ایں جا رسید کہ حیات مسیح کے عقیدہ سے جو توبہ کی تو ساتھ ہی ظہور مسیح و مہدی سے بھی منکر ہو گئے۔ مگر اتنی بڑی قلابازی کھانے سے مدعا صرف یہ تھا کہ جس طرح بن پڑے احمدیت کی رفتار ترقی کو روکا جا سکے۔ چنانچہ اخبار احسان مجریہ ۴ ؍ جولائی ۱۹۵۲ء کا حوالہ قابل ملاحظہ ہے۔ لکھا ہے:۔

"جب نزول مسیح قرآن میں نہیں، آمد مسیح قرآنی مسئلہ نہیں تو اس پر اقرار کے کیا معنی ۔۔۔۔۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کو حقیقت سے آگاہ کیا جائے کہ وہ آمد مسیح کے منتظر رہیں نہ مرزائیوں کے جال میں پھنسیں ۔۔۔۔۔ آمد مسیح کا عقیدہ ختم نبوت کے عقیدہ کو کمزور کرتا ہے، اور اس سے دو برگزیدہ نبیوں کی شان گھٹتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر مسیح دوبارہ آکر نبی ہوں گے تو رسول اعظم خاتم النبیین نہیں رہتے۔ اور اگر مسیح امتی ہو کر آتے ہیں تو ان کا اپنا مرتبہ گھٹتا ہے۔ گویا آمد مسیح کا ماننا دوسرے الفاظ میں ختم نبوت کا انکار ہے، اور دو نبیوں کی توہین ۔۔۔۔۔ اس صورت میں مرزائیت کا واحد اور یقینی علاج ایک ہے۔ اور وہ صرف یہ کہ بیانگ دہل تمام علماء کرام متفقہ اعلان کر دیں کہ آمد مسیح کا مسئلہ قرآنی مسئلہ نہیں ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوگی، مرزائیت پنپتی رہے گی۔"

گویا آج خود ہی اپنے عقیدہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ مگر موجودہ عقیدہ کہ سرے سے ظہور مسیح کا انکار کیا جا رہا ہے۔ عقیدۂ حیات مسیح سے کچھ کم مضحکہ خیز نہیں۔ اور سچا اور حق موقف وہی ہوتا ہے جو حضرت مرزا صاحب نے اختیار فرمایا کہ مسیح ناصری فوت ہو گئے۔ اور آنے والا مسیح و مہدی یکے از غلامان محمدؐ ہوگا۔ جو اپنے اوصاف و خصائل کے اعتبار سے مسیح ناصریؑ کا مثیل ہوگا۔ چنانچہ علامہ اقبال تحریک احمدیت پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک میں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔" (اخبار آزاد مجریہ ۲۱ ؍ اپریل ۱۹۵۰ء)

کاش لوگ حق دشمنی چھوڑ کر خلوص قلب سے سچائی کا کھوج لگانا سیکھیں۔

قولہ:۔ مسئلہ جہاد کو منسوخ قرار دیا گیا۔

اقول:۔ مگر آپ اور آپ کے ہم خیال تو اسے فرض جانتے ہیں۔ پھر کیوں کفن بردوش اور سربکف مجاہد نہیں بن جاتے؟ اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو کیا جواب دیں گے؟

یاد رہے کہ جہاد صرف شمشیر زنی کا نام نہیں بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً جہاد اکبر۔ جیسا کہ ایک جنگ سے واپسی پر حضور اکرم صلعم نے فرمایا "رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔" یعنی ہم جہاد اصغر یعنی جنگ سے فراغت کے بعد اب جہاد اکبر یعنی اصلاح نفس میں مصروف ہیں۔

جہاد کبیر۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وجاھدھم بہ جہاداً کبیراً۔ کہ قرآن مجید کے ذریعہ کفار کے ساتھ جہاد کبیر کرو یعنی انہیں تبلیغ اسلام کرو۔

جہاد اصغر۔ جیسا کہ اوپر حدیث کا حوالہ مذکور ہوا کہ سیف و سنان کی جنگ جہاد اصغر کہلاتی ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ اول الذکر دونوں قسم کا جہاد، احمدیہ جماعت نے اس شان کے ساتھ انجام دیا اور دے رہی ہے کہ فی زمانہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ باقی رہا سیفی جہاد سو جب تک اس کی شرائط متحقق نہ ہوں اس کا پرچار کرنا سراسر اسلام دشمنی ہے۔ مولوی ظفر علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار لے کر میدان جنگ میں نکل کھڑا ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر، تحریر سفر، حضر ہر طرح سے جد و جہد کرے۔" (زمیندار ۴ ؍ جون ۱۹۳۶ء)

پھر لکھتے ہیں:۔

"اسلام نے جب کبھی جہاد کی اجازت دی مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ قطعاً نہیں ہے ۔۔۔۔۔ اس کے لئے امارت شرط ہے اسلامی حکومت و نظام شرط ہے دشمنوں کی [illegible] ابتداء شرط ہے اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان صفائی سے میں لکھتا ہے اس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا۔ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کی تو وہ تبلیغ حکمت کے لئے تھی۔ اقوام و ملل کو مسلمان بنانے کے لئے [illegible] اٹھائی ہے۔ تو اس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں۔" (زمیندار ۲۳ جون)

پھر لکھتے ہیں:۔

"حضرت نوحؑ کا جوش تبلیغ، حضرت ابراہیمؑ کی توحید پرستی ۔۔۔۔ حضرت عیسیٰؑ کا جمال، حضرت داؤدؑ کا نغمہ، حکماء کی تصانیف، علماء کے مجاہدے اور زاہدوں کی شب زندہ داریاں سب کی سب جہاد ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔" (زمیندار ۲۵ جون ۱۹۳۶ء)

مولانا ابو الکلام آزاد اپنے رسالہ مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب کے ص ۱۰۹ میں لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفین اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے [illegible]

حقیقت کا اظہار

از مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی فاضل مبلغ سلسلہ

چند ماہ ہوئے کہ اخبار صدق جدید لکھنؤ میں جماعت احمدیہ اور اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے بارہ میں صوفی نذیر احمد صاحب کاشمیری (جو مسجد عبد الشکور حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں) کے چند مضامین شائع ہوئے۔ ان مضامین میں اس امر پہ زور دیا گیا تھا۔ کہ جماعت احمدیہ اگر حضرت مرزا صاحب کی شخصیت کو دوسرے مسلمانوں سے نہ منوائے۔ تو باقی مسلمانوں کو اُن کی تکفیر نہ کرنی چاہیئے۔ اور علماء کو یہ مشورہ دیا۔ کہ

"علماء اسلام کا فرض ہے کہ اُن کے شیخ (مرزا صاحب) کی شخصیت کو خواہ مخواہ زیر بحث نہ لائیں اور ان کے دعاوی کو سلف صوفیاء کے سکریات کی طرح مسائل جان کر خاموشی اختیار کریں۔"

(صدق ۲۶؍ ستمبر ۱۹۵۲ء)

صوفی صاحب موصوف کے مضامین کو پڑھ کر میرے بعض دوستوں نے مجھ سے فرمایا۔ کہ صوفی صاحب سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ چنانچہ کئی دنوں کی کوشش کے بعد آخر اُن سے احمدیہ جوبلی ہال میں ملاقات ہوئی جس کا ذکر آپ نے اخبار صدق ۱۲؍ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ پر فرمایا ہے میں نے اس ملاقات سے قبل بذریعہ ڈاک کچھ لٹریچر بھیجا تھا۔ اور بعض نے مطبوعہ ٹریکٹ بوقت ملاقات بھی دیئے۔ چنانچہ ان ٹریکٹوں کے مضامین پر بنیاد رکھتے ہوئے آپ کا ایک مضمون بعنوان "جماعت قادیانی کے امام کی خدمت میں اُن کے دینی بھائی فقیر نذیر احمد کاشمیری کی گذارش" اخبار صدق ۵ و ۱۲؍ دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔ چونکہ اس مضمون کا خطاب حضرت امام جماعت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالےٰ سے ہے۔ اس لئے میں اس مضمون کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ لیکن امر ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ میری ملاقات یا ٹریکٹوں کے مضامین کے سلسلہ میں صوفی صاحب نے جو غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اُس کا ازالہ کروں۔

بالمشافہ گفتگو میں میں نے صوفی صاحب سے یہ دریافت کیا۔ کہ آپ کا بار بار یہ تحریر فرمانا۔ کہ احمدی حضرت مرزا صاحب کی شخصیت کو نہ منوائیں۔ اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ ہم تو حضرت مرزا صاحب کو مرزا غلام احمد قوم مغل برلاس کی حیثیت میں پیش نہیں کرتے۔ اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب نے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش فرمایا ہے۔ بلکہ مرزا صاحب نے تو یوں اپنے آپ کو پیش کیا ہے:۔

(۱) "میں اُس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں خبر دی ہے۔ جو صحیح بخاری اور مسلم اور دوسری صحاح میں درج ہیں۔ وکفیٰ باللّٰہ شہیدا۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۱۳)

ب۔ مجھے خدا کی پاک اور مطہر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اُس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی موعود اور اندرونی و بیرونی اختلافات کا حکم ہوں۔" (اربعین نمبر ۱ صفحہ ۳)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اُس مسیح اور مہدی ہونے کا دعوےٰ فرمایا ہے۔ جس کی آمد کی بشارت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں دی ہے۔ اور اُمت اُن کے لئے چشم براہ ہے۔ اور اسی شخصیت کو تسلیم کرنا ہر احمدی کا فرض ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔

"جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح)

یہ امور پیش کر کے میں نے عرض کیا۔ کہ اب آپ فرمائیں۔ کہ کیا اس امت میں مسیح اور مہدی علیہما السلام نے آنا ہے یا نہیں۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اُن کی شخصیت ہوگی یا نہیں۔

فرمایا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مہدی کے لئے کسی دعوےٰ کی ضرورت نہیں۔ مسیح علیہ السلام کی شخصیت مسلم ہے۔ کیونکہ وہ نبی تھے۔ دنیا مہدی کے کاموں سے پہچان لے گی کہ وہ مہدی ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کے لئے بھی دعویٰ کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ اُمت محمدیہ مکلّف ہے۔ کہ اُن کے دعوے کو تسلیم کرے۔

میں نے عرض کیا۔ اول تو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام دیگر انبیاء کرام کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اور حدیث میں آنیوالے مسیح کو "امامکم منکم" کہا گیا ہے کہ وہ امت محمدیہ میں سے ہوگا۔ دوسرے آنے والے دو وجود نہیں۔ ایک ہی ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا مھدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ)

کہ مہدی اور عیسیٰ ایک ہی وجود کے دو نام ہیں ہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں کسی مہدی کے ظہور کی خبر دی ہے۔ تو اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

(۱) مَنْ ادرکہ فلیقرأ منی السلام" (کنز العمال) کہ جو کوئی اُس مہدی کو پائے میرا سلام اُسے پہنچائے۔

(۲) وَجَبَ علیٰ کل مومنٍ نصرتہ او قال اجابتہ (ابو داؤد) کہ اُس مہدی کو قبول کرنا اور اُس کی مدد کرنا ہر مومن پر واجب ہے۔

اب اگر مہدی کی کوئی شخصیت نہیں اور نہ ہی اُسے دعویٰ کی ضرورت ہے۔ تو لوگوں کو کیسے علم ہوگا کہ وہ مہدی ہیں۔ تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل میں آپ کا سلام اُسے پہنچائیں۔ اور اُس کو قبول کریں اور اُس کی مدد کریں۔ نیز مہدی کو کیسے علم ہوگا۔ کہ وہ مہدی ہے اور اُس کے ذمہ یہ کام ہیں۔ اگر فرمائیں کہ خدا بتلائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی والہام کا دروازہ کھلا ہے پس اگر اسلام میں اب کسی شخصیت کو منوانے کی ضرورت نہیں۔ تو پھر خدا تعالےٰ نے ۱۹۰۰ سال سے کیوں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اور مہدی علیہ السلام کس غرض کے لئے آئیں گے؟ اور جب بقول آپ کے اِن کی کوئی شخصیت وحیثیت ہی نہ ہوگی۔ اور اُن کا ماننا اور نہ ماننا برابر ہے۔ تو کیوں اب تک مسلمان اُن کی آمد کے منتظر ہیں۔

اس پر صوفی صاحب نے فرمایا۔ کہ میرا مطلب یہ ہے کہ اب دین کامل ہو چکا ہے۔ اب اللہ اور رسول کی اطاعت کے سوا کسی اور شخصیت کی اطاعت ضروری نہیں۔

میں نے عرض کیا۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ دین اسلام کامل دین ہے۔ اور شریعت اسلامیہ

(باقی آگے صفحہ پر)

(نوٹ:) یہ ہیں سو یہ قدرت کے اشارے ہیں۔ سوچو اور سمجھو (باقی)

سلسلہ جوابات بقیہ صفحہ ۹

حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دیتا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کمال سعی کو جو ذاتی اغراض کی بجائے حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ مال سے بھی ہے۔ صرف وقت وعمر سے بھی ہے۔ محنت وتکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے۔ اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے۔ جس سعی کی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اُس پر فرض ہے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ بہ اعتبار لغت اور شرع دونوں اعتبار سے داخل ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ سورہ فرقان میں ہے فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو۔ سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ پس مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے۔ جہاد بالسیف ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔ . . . . . اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم۔ حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ ومحکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے جنگ وجدال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ اُن سے جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق اور اتمام حجت ومقاومت فساد کا جہاد تھا۔ جو قلب وزبان سے تعلق رکھتا ہے . . . . . لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقت جہاد باقی رہتی ہے۔"

مذکورہ بالا حوالے بالکل واضح ہیں۔ ان کی روشنی میں کوئی انصاف پسند احمدیوں کو یہ الزام نہیں دے سکتا کہ وہ جہاد نہیں کرتے۔ کیونکہ جس قسم کے جہاد کی شرائط متحقق ہیں اس میں کوئی قوم احمدیوں کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی۔ اور جہاد بالسیف کے شرائط مفقود ہیں۔ اسی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تنسیخ جہاد نہیں بلکہ التواءِ جہاد کا اعلان فرمایا ہے حضور فرماتے ہیں:۔

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
لکھا نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفےٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا
بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

از روئے بخاری شریف مخبر صادق حضرت رسول اکرم صلعم نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ آنے والا مسیح امن و سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ وہ خود جنگ نہ کرے گا۔ بلکہ جنگ پسندوں کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائیگا۔ اس کا زمانہ جنگوں کا زمانہ نہیں ہوگا۔ بلکہ صلح وسلامتی کا وقت ہوگا۔ پس ضروری تھا کہ مسیح وقت التواءِ جنگ کا اعلان کرتا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ مگر یہ التواء دائمی نہیں ہے۔ بلکہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ مربوط ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔

"اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین متین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے۔ جبتک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کرے۔" (بحوالہ رسالہ درود شریف صفحہ ۶۶)

اسکے علاوہ مختلف رنگوں میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا کہ اہل اسلام سیفی جہاد کریں تو انہیں سیف وسنان علاحدہ کا اگر جہد کیجئے ہیں کہ ان کی صحیح معنی "تلواریں" چھینی جا رہی

حیثیت مانگی شریعت ہے لیکن بعیر دکمیل ہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس امت میں مجددین کی بعثت۔ مسیح اور مہدی کی آمد کی خبر بہ حکمت سے خالی نہیں ہے سے سیلوم ہو کہ مجددین اور مسیح اور مہدی کی آمد تکمیل دین میں مدد جنہیں بلکہ تکمیل اشاعت اسلام اس کا مقصد ہے اور یہ بزرگان امت اسلام کی زندگی اور روحیت کا زندہ ثبوت ہوں گے۔ نیز یہ بزرگان دین اپنے اپنے زمانہ کے امام اور اولی الامر ہیں۔ اور ان کی اطاعت بھی شرعی طور پر واجب کی گئی ہے۔

ولی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ اللہ تعالیٰ۔ اللہ کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے۔ اسی لئے سورۃ نور کی آیت استخلاف میں جہاں پر اس امت میں خلفاء کی بشارت دی گئی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا:۔

ومن کفر بعد ذالک فاولئک هم الفاسقون۔ کہ جو ان خلفاء کا انکار کرے گا اور اطاعت نہیں کرے گا۔ وہ نافرمان اور فاسق ہوگا۔ اب حضرت علی رضی کی شخصیت ہی تھی جن کی عدم اطاعت اور انکار کی وجہ سے ایک گروہ باوجود مسلمان ہونے کے خوارج کہلاتا ہے (دیب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی امام الزمان کی شناخت کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاهلیۃ کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کرتا۔ وہ جاہلیت (زمانہ قبل از اسلام) کی موت مرتا ہے۔

اگر بقول صوفی صاحب اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی اطاعت ضروری نہیں۔ امام کسی کی شخصیت کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ تو خلفاء کے انکار سے "فسق" اور امام الزمان کی عدم شناخت سے جاہلیت کی موت کیوں لازم آتی ہے۔ اور پھر اس مہدی و مسیح پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ارشاد نبوی کے ماتحت کیوں واجب ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مجددین اور مہدی اور مسیح حقیقت میں کوئی الگ شخصیت رکھتے ہی نہیں ان کا ظہور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ہو اسلام کا دین اسلام اور شریعت قرآنیہ ہے۔ ان کا کام دین کی تجدید اور مسلمانوں کی اصلاح ہے۔ ان کی اطاعت اصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اور ان کی عدم اطاعت اور انکار رسول خدا صلعم کا انکار ہے۔ جن نے ان کی آمد کی پیشگوئی فرمائی۔ بمطابق ارشاد نبوی۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی

ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ ومن عصی امیری فقد عصانی ومن عصانی فقد عصی اللہ۔ پس امام الزمان کے انکار سے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو معمولی اور ناقابل اعتنا سمجھا جائے

اس پر صوفی صاحب نے فرمایا۔ کہ میرا مطلب شخصیت منوانے سے ہے۔ کہ اس کو مان کر کوئی علیحدہ فرقہ نہ بنایا جائے۔ اور کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ امت محمدیہ ۷۳ فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔ باوجود اس کے ہر فرقہ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلعم کی امت کہے گا۔ مگر ان ۷۳ فرقوں میں سے ۷۲ ناری اور جہنمی اور ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ گویا ۷۲ فرقوں کو ناری اور جہنمی تو کہا جا سکتا ہے "کافر" نہیں۔ اور پھر آنحضرت صلعم نے بھی "ناجی" فرقہ کو "جماعت" قرار دیا ہے۔ اور جماعت اسے ہی کہتے ہیں جس کا کوئی امام ہو۔ اور پھر اس جماعت کی شناخت یہ قرار دی ہے: ما انا علیہ واصحابی" کہ وہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والا ہوگا۔ اور دوسری طرف اس فیج اعوج اور امت کے افتراق و انشقاق کے وقت "امام مہدی" کے ظہور کی خبر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان ۷۳ فرقوں میں سے "امام مہدی" کو ماننے والے جماعت کہلائیں گے اور ان کا کام تبلیغ و اشاعت اسلام ہوگا۔ جو صحابہ کا کام تھا اس حدیث سے لازم آتا ہے۔ کہ وہ آنے والا امام مہدی ایک جماعت بنائے گا۔ اور اس کا کام تبلیغ و اشاعت ہوگا۔ تبھی تو وہ فرقہ دوسرے فرقوں سے ممتاز ہو کر "ناجی" کہلائے گا۔ اب یہ امر بھی لازمی ہے۔ کہ جب دوسرے فرقے اس امام مہدی کو قبول کر کے اس کی جماعت میں شامل نہ ہوں گے۔ تو وہ اس کے انکار اور عدم اطاعت کی وجہ سے خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے منکر ہوں گے جنہوں نے اس امام کے ظہور کی خبر دی ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کا انکار کرنے والا مومن کبھی نہیں بن سکتا۔ حضور علیہ السلام نے اس کو ناری کہا ہے۔ اور یہ نار "اعدت للکافرین" کفار کے لئے ہی تیار کی گئی ہے۔

اس پر صوفی صاحب نے فرمایا۔ کہ میرا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ایک نام نہ رکھا جائے۔

میں نے عرض کیا۔ کہ جماعت کا نام تو صرف امتیاز کے لئے ہے۔ ورنہ اصل میں تو ہم سب مسلمان ہی ہیں چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں

"وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے۔ جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں۔ "مسلمان فرقہ احمدیہ" ہے۔"

(اشتہار ۴ر نومبر ۱۹۰۰ء)

اس نام کے اختیار سے مقصد کرنے کے لئے علیحدہ نام رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی دو جماعتوں کو ان کے کاموں کی وجہ سے "مہاجرین" اور "انصار" کے لقب سے ملقب فرمایا حالانکہ دونوں جماعتیں اسلام کی ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی فرماتے ہیں:۔

"یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی۔ اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے۔ کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے۔ اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کوئی سروکار نہیں۔" (اشتہار ۴ر نومبر ۱۹۰۰ء)

اب عقل انسانی بھی یہی کہتی ہے۔ کہ جب وہ مہدی اور مسیح آئیں گے۔ ان کی تصدیق کرنے والے اور ان کی مدد کرنے والے لوگ "اصحاب مہدی" یا "اصحاب مسیح" یا "جماعت امام مہدی" کہلائیں گے یا نہیں۔ تا کہ ان کی شناخت ہو سکے۔ کہ یہ مصدقین میں سے ہیں یا منکرین و مکذبین میں سے۔ پس اسی شناخت اور امتیاز کے لئے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مسیحیت اور مہدویت کی تصدیق کرنے والی جماعت کو "جماعت احمدیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تا کہ وہ دوسرے فرقوں اور جماعت ہائے اسلام سے ممتاز ہو جائے۔

اس پر فرمایا۔ کہ اب میں جاتا ہوں۔ مجھے ایک ضروری مضمون لکھنا ہے۔ اور ایک مضمون میں نے لکھا ہوا ہے۔ شاید اخبار "صدق" تو شائع نہیں کرے گا رسالہ "برہان" کو بھیج رہا ہوں۔ آپ بھی اس کی ایک کاپی ملاحظہ کریں۔ وہ کاپی میں نے لے لی۔ کچھ نسخے مطبوعہ ٹریکٹ صوفی صاحب کو دیئے اور آپ تشریف لے گئے۔

صوفی نذیر احمد صاحب نے اپنی ملاقات کا ذکر تو فرمایا۔ اگر گفتگو غلط بھی ذکر فرما دیتے تو اصل حقیقت واضح ہو جاتی۔ اب ایک دوسرا امر جو قابل وضاحت ہے۔ یہ ہے کہ صوفی صاحب نے ٹریکٹوں

۱۔ "جماعت احمدیہ کی بین الاقوامی حیثیت"۔
۲۔ "حضرت مرزا صاحب ..... غیروں کی نظر میں"
۳۔ "خوش قسمت انسان"۔

کا ذکر فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

"ان سب پمفلٹس میں سے کسی میں بھی کوئی واضح بات نہیں ملتی۔ کہ جس سے پتہ چلے۔ کہ آپ اس یقین پر قائم ہیں کہ اُمت محمدیہ ایک جامع مانع اُمت ہے۔ اور اس کا ایک جامع مانع اصول پروگرام ہے ..... ان تمام کتابچوں کا مفہوم صرف اس قدر ہے۔ کہ مرزا غلام احمد صاحب کو مان لو۔ اور انہیں کی زندگی، ملفوظات کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش ہے۔ دین کا پہلو اس میں یکسر غائب ہے۔" (صدق ۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء ص)

مجھے نہایت افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ صوفی صاحب موصوف نے اس بارہ میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ اور غلط فہمی پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ حالانکہ ٹریکٹ مذکا بعنوان "خوش قسمت انسان" کے پہلے صفحہ پر ہی حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے دعوے "مسیحیت" کو درج کر کے "عقائد" کی سرخی کے تحت آپ کی یہ عبارت درج کی گئی ہے۔

زعشق رقن و عشق پیغمبریم
بمیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے۔ کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں۔ جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی۔ جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے۔ اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتدا اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں۔ کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت و قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔"

(ازالہ اوہام جلد اول)

اب یہ کس قدر واضح عبارت ہے۔ جس میں اس بات پر یقین و ایمان کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ایک جامع و مانع شریعت ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی

علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل اور زندہ رسول ہیں۔ کیونکہ آپ کا روحانی فیض قیامت تک کے لئے جاری ہے۔ اور اب ادنیٰ درجہ روحانیت کا بھی حضور کی اتباع کے بغیر نہیں مل سکتا۔

پھر اسی ٹریکٹ کے صفحہ ۳ پر شرائط بیعت درج کی گئی ہیں۔ جو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے اپنے بیعت کرنے والوں کے لئے تجویز فرمائی ہیں۔ اور کوئی شخص ان شرائط کو تسلیم کئے بغیر جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے صرف تین شرائط درج کرتا ہوں جس میں حضرت مرزا صاحب نے احکام و فرائض اسلام پر عمل کرنا لازمی قرار دیا ہے۔

شرط سوم:- یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اسکی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

شرط ششم:- یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے اوپر وارد کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

شرط ہفتم:- یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔"

اب حضرت مرزا صاحب کے "اعلان عقائد" اور شرائط بیعت کو پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صوفی صاحب کا یہ قول "دین کا پہلو اس میں یکسر غائب" کس حد تک واقعات کے مطابق اور دیانتداری پر مبنی ہے۔ یہ تو صرف ایک ٹریکٹ کا حال ہے۔ اس پر دوسرے ٹریکٹوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

میں مکرم صوفی صاحب سے یہ امر دریافت کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا مہدی اور مسیح جب ان کے اعتقاد کے مطابق آئیں گے۔ تو کیا ان کی زندگی و ملفوظات کے مختلف گوشے "دین" سے کچھ تعلق رکھتے ہوں یا نہیں۔ یا دین کا پہلو ان سے یکسر غائب ہوگا۔ اور کیا خود اُن کے مہدی یا مسیح ہونے کی "شخصیت" دین سے تعلق رکھتی ہو گی یا نہیں۔

اب تین صورتیں ہیں۔ یا تو آپ فرمادیں۔ کہ اس امت میں کسی مہدی یا مسیح نے آنا ہی نہیں۔ یہ سب احادیث غلط اور موضوع ہیں۔ اور پھر اس ضمن میں اخبار "صدق" میں اپنے "روشن خیالات" سے قارئین صدق مستفیض فرمایئے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ فرمائیں۔ کہ مہدی اور مسیح کی آمد کی بشارات تو صحیح ہیں۔ مگر اُن کی آمد کا دین سے تعلق نہ ہوگا۔ تو پھر اس کی حکمت پر روشنی ڈال دیجئے کہ اُن بزرگان کی آمد کی کیا غرض و غائت ہے اور اُن کی زندگی اور "ملفوظات" کیا حیثیت رکھیں گے۔

ہاں ایک تیسری صورت بھی باقی ہے۔ کہ آپ فرمائیں۔ کہ مہدی اور مسیح کی بشارت کے مطابق آمد دین سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ دین کی تجدید ہوگی۔ اسلام کی اشاعت و غلبہ ہوگا۔ تو اس کے صاف اور سیدھے معنے یہ ہیں کہ اُن کی زندگی اور ملفوظات "دین سے تعلق" رکھیں گے۔ اور اسلام ان کی زندگی کے عملی گوشوں اور اقوال و ملفوظات سے نمایاں ہوگا۔ تو پھر اگر ہم یہ مان کر کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام ہی وہ مہدی اور مسیح ہیں۔ جن کی آمد کی خبر احادیث میں موجود ہے۔ اُن کے دعوے اور دلائل۔ اُن کی زندگی اور ملفوظات کو لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے پیش کریں۔ کہ آؤ تم بھی اس "امام الزمان" کی شناخت کی سعادت حاصل کرو۔ تو پھر آپ کا یہ طنزیہ کلام

"اِن کتابوں کا مفہوم صرف اس قدر ہے۔ کہ مرزا غلام احمد صاحب کو مان لو۔ اور انہیں کی زندگی و ملفوظات کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش ہے۔ دین کا پہلو اس میں یکسر غائب اور ایک ہیرو کو منوانے کے حربے اکثر موجود۔"

کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کیا اپنی طرف سے ہی مفروضات اور غلط نظریات قائم کر کے کسی پر اعتراض کرنا دراصل حقیقت کو چھپانا دیانتداری ہے؟ نیز صوفی صاحب نے اس امر کی صراحت نہیں فرمائی۔ کہ "دین" سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر دین سے مراد قال اللہ اور قال الرسول ہے۔ تو اُس کا حکم تو موجود ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ آپ کی مراد "دین" سے کچھ اور ہے۔ تو وہ واقعی یکسر غائب ہے۔

اور یہ ایک امر واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو یہ روحانی منصب حاصل کیا۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نہ ہوتا۔ اور آپ کی پیروی نہ کرتا۔ تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔۔۔۔"

(تجلیات الٰہیہ)

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے
اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

اور اسی فیضان کی طرف آپ کا الہام کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علّم وتعلّم اشارہ کر رہا ہے۔

آخر میں صوفی صاحب کی پیدا کردہ ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں:-

"میں نے قادیانی لٹریچر کو اصولی لحاظ سے پڑھا ہے۔ اُس کے مبلغوں کے ساتھ سالوں میرے دوستانہ مراسم رہے ہیں۔ اگر مرزا صاحب کی تعلیم کی۔ اُن کے سارے ماحولی تعلق کو سامنے رکھتے ہوئے تلخیص کی جائے۔ تو وہ اس قدر ہو گی۔ کہ عالم میں امپیریل ازم انگریز کا قائم و دائم رہے۔۔۔۔۔۔۔ مرزا صاحب کے حدود عمل و اعتقاد کا آخری نقطۂ ارتقا یہ تھا کہ انگریزی امپیریل ازم عالمگیر کر دیا جائے۔"

(صدق ۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ)

اس کو کہتے ہیں ایجاد بندہ۔ مدعی کا اس سلسلہ میں نہ کوئی دعویٰ اور نہ عمل۔ مگر صوفی صاحب قادیانی لٹریچر کا خلاصہ "انگریزی امپیریل ازم" قرار دے رہے ہیں۔ اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کہ صوفی صاحب کو غالباً کبھی حضرت مرزا صاحب اور جماعت کے اکابرین کے لٹریچر کے مطالعہ کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اور اگر شاید ملا ہوگا۔ تو اس لٹریچر کا اسی طرح مطالعہ کیا ہوگا جیسے میرے دیئے ہوئے ٹریکٹوں کا آپ نے مطالعہ فرمایا۔ اور اُن سے خلاف واقعہ نتیجہ نکالا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب تو اپنی بعثت کی غرض یہ بیان فرماتے ہیں:-

(الف) "خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا۔ کہ میں اُس نور کو جو اسلام میں ہے۔ ان لوگوں کو جو حقیقت کے جویاں ہوں دکھاؤں۔۔۔۔۔ مجھے اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ ان تائیدی نشانوں سے جو اسلام کا خاصہ ہے اس زمانہ میں اسلام کی صداقت دنیا پر ظاہر کروں۔"

(الحکم ۹ر اگست ۱۹۰۱ء)

(ب) "خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے۔ اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔"

(الوصیت)

(ج) "میں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اب آسمان کے نیچے اعلیٰ اور اکمل طور پر زندہ رسول صرف ایک ہے۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس نبوت کے لئے خدا نے مجھے مسیح کر کے بھیجا ہے۔ جس کو شک ہو۔ وہ آرام اور آہستگی سے مجھ سے یہ اعلیٰ زندگی ثابت کرالے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا کچھ عذر بھی تھا۔ مگر اب کسی کے لئے عذر کی جگہ نہیں۔ کیونکہ خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ میں اس بات کا ثبوت دوں۔ کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے۔ اور زندہ رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دیکھو میں آسمان و زمین کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ یہ باتیں سچ ہیں۔ اور خدا وہی ایک خدا ہے۔ جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور زندہ رسول وہی ایک رسول ہے۔ جس کے قدم پر نئے سرے سے دنیا زندہ ہو رہی ہے نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ برکات ظہور میں آرہے ہیں غیب کے چشمے کھل رہے ہیں۔ پس مبارک وہ جو اپنے تئیں تاریکی سے نکال لے۔"

(لیکچر زندہ رسول)

ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی بعثت کی یہ غرض تھی۔ کہ وہ اسلام کی زندگی اور برتری کا ثبوت دیں۔ اور اسلام کا غلبہ دیگر ادیان پر ثابت کریں۔ چنانچہ عملاً آپ کی ساری عمر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہوئی۔ براہین احمدیہ۔ سرمہ چشم آریہ۔ اسلامی اصول کی فلاسفی۔ آئینہ کمالات اسلام۔ نور القرآن حصہ اول و دوم۔ چشمہ مسیحی۔ تحفہ قیصریہ۔ آریہ دھرم۔ ست بچن۔ چشمۂ معرفت۔ حقیقۃ الوحی وغیرہ آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں عیسائیت اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فضیلت ثابت کی گئی ہے۔ اگر دینی خدمت اور اشاعت اسلام کا نام "انگریزی امپیریل ازم" ہے جس کی اقتدا و اتباع میں آج جماعت احمدیہ گوشۂ زمین پر مختلف براعظموں۔ جزائر اور علاقوں میں تبلیغ اسلام کر رہی ہے۔ تو یہ امپیریل ازم ہم کو مبارک ہو۔ جیسے حضرت مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

بالآخر میں صوفی صاحب سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ اپنے مفروضہ نظریات کو ایک طرف رکھ کر قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں حضرت مرزا صاحب کے دعوے اور دلائل پر غور کریں۔ اور پھر مرزا صاحب کی تصانیف کا مطالعہ فرمائیں تو انشاء اللہ العزیز اُن پر خود ہی اپنے بے سروپا باتوں کی حقیقت کھل جائے گی۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔